

RARE BOOK
NOT TO BE ISSUED

معلومات ایشیائی

حصہ اول

یعنی

خیالات نادرہ اور شرفاخرہ حضور نواب علی القاب سرالفر دلا صاحب
بہادر کی سی سی سی آئی آئی لفظ گورنر ممالک بی و شمالی چیف کپتان
جنکو

مصنف موصوف سے اجازت لیکر

کنور جو الا پر شاد صاحب بی آئی پی کلکٹر الہ آباد خلع راجہ
بیکش داس صاحب بہادر سی آئی آئی نے
واسطے فائدہ جمہور نامہ کے سنی مالاکلام صرف کر کے اردو زبان
میں ترجمہ کیا

حسب فرمائش ترجمہ موصوف

اہتمام سے حاجی محمد کبیر الحق مالک متہم مطبع کے

مطبع جلالی الہ آباد مطبوعہ عربی

۱۹۸۴ء



مترجم کے مرزئی و سرپرست جناب مسٹر جی ایس
کننٹاش صاحب بہادر سی ایس سکرٹری
آف بورڈ آف ریونیو ممالک معزنی و شمالی
نے اجازت دی ہے کہ یہ کتاب صاحب مملوح
کے نام نامی سے مخصوص و معزریا جاوے *

التماس

گو کہ رسم دیا چہ لکھنے کی رفتہ رفتہ معرک ہوتی جاتی ہے گو مجھ کو
 ناظرین باتکلمین کی خدمت میں یہ التماس کرنا ضرور ہے کہ جب میں نے
 حضور قنٹ گورنر صاحب بہادر کی اس تصنیف لطیف کا ترجمہ کرنا
 شروع کیا تھا اس وقت میں اپنے کام کی دشواری سے چند ان وقف
 نہ تھا جس قدر ترجمہ کرنے میں قدم آگے بڑھا اوس قدر مشکلات پیش آئیں۔
 اول تو حضور پر نور کی اعلیٰ درجہ کی انشا پر از می دوسرے اپنی ہندوستانی زبان
 کی کم مائیگی تیسرے کارسہ کار سے کم فرصتی۔ یہ چند وجوہات ایسی حامل ہوتی
 گئیں کہ بعض اسکے کہ کل کتاب کا ترجمہ الکیارگی پیشکش کروں صرف
 ایک حصہ پر اکتفا کرنا پڑا اور باقی تین حصے آئندہ کے لیے چھوڑے۔
 کوشش یہ کی گئی ہے کہ جہاں تک لفظی ترجمہ سے ممکن ہو نفس مطلب
 عالی وقار کا بنانے پائے۔ اسلئے ناظرین کی خدمت میں عرض ساہو
 کہ اگر ترجمہ میں کہیں بندش الفاظ اور طرز عبارت میں خطا و کمین تو اوسکو
 معاف فرما دیں۔

جوالا پرشاد

غلط نامہ معلومات ایشانی

(۱) اسلام

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح
۲	رعایا	رعایا	۳	روز	نہ روز
۱۴	ہوئی قصہ	ہوئے قصہ	۲۱	صدنہ	جذبہ
۶	ہستیارون	اونیں کے ہستیارون	۱۲	یک	ایک

(۲) ہماری مذہبی حکمت عملی ہندوستان میں

۲	مین	بین	۵	۱۱	حکمرانی ممالک
۶	منصفانہ وغیر	منصفانہ غیر	۷	۱۷	ولایت فی تہ
۸	تائید کے	تائید کے لئے	۱۶	۵	جبر
۳۳	سیت ناک ممبر	سیت ناک و ممبر	۳۲	۲	پادریوں
۲۴	خیمہ	ہرجہ	۳۸	۱۳	مالگزار
۲۶	سالیبری	شفقتیبری	۳۸	۸	بلاشبہ

یہ مصنف علی شہر ہندوستان میں
اینگلو انڈین افسر کو کا حقہ ابرہن مذہب کی حالت
سٹر ہنڈوستان سے

اسلام

(یہ مضمون ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سالہ تھیٹھیا لونیل ریوین
شائع ہوا)

ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب موسومہ اور انڈین مسلمانس (ہندوستان
میں ہماری مسلمان رجایا) کو اون تمام لوگون نے نہایت شوق
بلکہ فکر کے ساتھ پڑھا جو دنیوی اور دینی اور پولیٹیکل معاملات کو
اہم اور عظیم سمجھتے ہیں۔ اس مصنف نے ہندوستان کے حالات پر
جو کچھ تحریریں کی ہیں اونکی وجہ سے وہ انگلستان میں بہت مشہور
ہو گیا ہے۔ فی الحقیقت اب بہت برس گزر چکے ہیں کہ جب سے
یہ مصنف علمی شہرت کے اوس درجہ کو پہنچ گیا ہے جو شاید کسی اور
اینگلو انڈین افسر کو کما حقہ اب تک حاصل نہیں ہوا۔ جو کوئی کتاب
سٹر ہنٹر ہندوستان سے انگلستان میں اشاعت کے لئے

۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

پہنچتے ہیں اور سکوحوام الناس کثرت سے پڑھتے ہیں اور عمدتین
 مبصر ماہر اور سپر غور سے محاط کرتے ہیں۔ آج تک جن لوگوں نے
 ہندوستان کے معاملات میں خاص ذاتی واقفیت حاصل
 کی ہے اور ان میں اوس طرز و طریقہ کی انشا پر دازی کا وصف
 شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے جسکی آج کل اور عام پسند تصنیفات
 میں بھی ضرورت سمجھی جاتی ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں اور ان
 چند مصنفوں میں سے جنہوں نے تجربہ سے ہندوستان کے
 انتظام سے بخوبی واقفیت حاصل کی ہے ہندوستان کے
 معاملات پر عوام الناس کی فوراً توجہ مبذول کرنے میں ڈاکٹر ہنٹر
 کے مثل کوئی اچھی طرح کامیاب نہیں ہوا۔ بلاشبہ مگالی ایک مشہور
 مستثنیٰ شخص ہے اوسکے مشہور مضامین نے فی الواقع وہ عام
 رائے پیدا کی جو آج تک قریب قریب علیٰ انہوم اور بڑی پورے
 کارروائیوں کی نسبت قائم ہے جسے چند ثابت قدم و مستقل
 مزاج انگریزوں نے گزشتہ صدی کے آخر حصہ میں براعظم ایشیائی
 ہماری سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اوسکو مستحکم کیا۔ معمولی ناظرین
 کے دلوں پر وہ بڑی بڑی تواریخی تصاویر نہایت مضبوطی سے
 نقش کا بھر ہو گئی ہیں جو وارن ہسٹنگز اور کلایو کی مہمات کی مگالی نے

ہندوستان کے معاملات پر عوام الناس کی فوراً توجہ مبذول کرنے میں ڈاکٹر ہنٹر کے مثل کوئی اچھی طرح کامیاب نہیں ہوا۔ بلاشبہ مگالی ایک مشہور مستثنیٰ شخص ہے اوسکے مشہور مضامین نے فی الواقع وہ عام رائے پیدا کی جو آج تک قریب قریب علیٰ انہوم اور بڑی پورے کارروائیوں کی نسبت قائم ہے جسے چند ثابت قدم و مستقل مزاج انگریزوں نے گزشتہ صدی کے آخر حصہ میں براعظم ایشیائی ہماری سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اوسکو مستحکم کیا۔ معمولی ناظرین کے دلوں پر وہ بڑی بڑی تواریخی تصاویر نہایت مضبوطی سے نقش کا بھر ہو گئی ہیں جو وارن ہسٹنگز اور کلایو کی مہمات کی مگالی نے

اپنے مضامین میں کھینچی ہیں یہاں تک کہ اگر اوسط درجہ کی لمبائیت کا
انگریز ان باتوں کی نسبت کچھ واقفیت رکھتا ہے تو وہ مکالمی
کے بیان کو بے کم و کاست صحیح باور کرتا ہے اور اس کے سامنے
یہ اعتراض کرنا محض بے سود ہوتا ہے کہ یہ آئین ٹینک یعنی غنی
تصویر (کارلائل ان تصانیف کو اس نام سے موسوم کرتا ہے)
کو نہایت پھڑکتی ہوئی اور عالی شان ہے لیکن ہر جگہ رتبہ تالیف کو
حاصل نہیں ہے۔ لیکن چست فقر وں اور رنگین عبارت کا اثر ایسا
مضبوط اور دیر پا ہوتا ہے کہ بہت سی غلطیاں اور مبالغہ آمیز بیانات
جن سے مکالمی کی تحریرات جنکو بیس برس ہوئے مملوین مسٹر ویلیویم
ٹارنس نے اپنی کتاب موسومہ "ایپا پران ایشیا" (ایشیا سلطنت)
میں اونکو از سر نو پڑے روز سے تحریر کیا ہے گو کہ یہ کتاب ۱۸۷۸ء
میں شائع ہوئی ہے۔

ڈاکٹر چٹرنے اپنے رسالے کی غرض اور اپنی کتاب کی اہمیت کا
سبب ایک ابتدائی صفحہ میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ساہا
سال سے ہندوستان کے مسلمان ہندوستان میں انگریزوں
کی حکومت کے لئے مزمن خطرہ کے باعث چلے آئے ہیں اور
اب تک ہیں۔ یہ خطرہ اوس بے چینی کی حالت کا نتیجہ ہے جسکی ڈاکٹر

سر آگے چل کر تین صورتیں بیان کرتے ہیں یعنی ہماری مثال یہی
 سرحد پر باغیوں کی نوابادی کا قائم ہونا جنگی وجہ سے ہمیشہ یا نہ
 ایک آفت ہمارے پیچھے لگی رہتی ہے ہمارے اندرونی اضمحلال کی
 مسلمانوں کی ساوش و اتفاق بغاوت کے لئے اور وہ مباہلہ
 دوس شرعی مسلم پر ہوتے ہیں جسکو ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی تصنیف میں
 نام رکھنے کے لئے منتخب کیا ہے یعنی کیا ہندوستان اسے ہمارا
 نامہ معطل سے بغاوت نہ نہ شمرنا فرض ہے۔ وہ آگے چل کر مسلمانوں
 اور شکیاتوں کی نسبت بحث کرتے ہیں جو مسلمانوں کو حکومت سرکار انگلش
 میں ہیں اور ان شکیاتوں کے رفع کرنے کی تدبیر کو بیان کرتے
 ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ وہ ان تاریخی و پولیٹیکل و نیل مخالف کی تحقیقات
 کرتے ہیں جہاں سے اس ناراضی کا ظہور ہوا ہے جو ڈاکٹر ہنٹر کی
 رائے میں گہری اور جڑ پکڑے ہوئے اور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور
 جس سے ہماری گورنمنٹ کو ہر خطہ خطرہ کا احتمال ہے نہ اس عنوان
 کے موافق اس کتاب کی ابتدائی بابوں میں مصنف نے مختصر اور
 دلچسپ طور پر یہ بیان کیا ہے کہ عرب میں فرقہ واریہ کی بنیاد کیونکر
 پڑی اور اوپر کیا کیا حالتیں گذریں اور کیونکر ایک مشہور زاہد و شہید
 نے اس فرقہ کو شمال مغربی سرحد پر قائم کیا کیونکر جہادی مولویوں نے

مسائل و ہابیہ کو تمام ہندوستان میں نہایت سرعت سے اشاعت دی اور کیونکر متواتر ہوئی چوٹی لڑائیوں اور اندرونی سازشوں اور بغاوت کا سراغ تمام اہمال مسائل و ہابیہ تک لگا۔ میں ان تمام واقعات کا بیان کرنے میں ڈاکٹر ہنٹر کی پیروی نہ کروں گا تاہم ان تمام واقعات کا جانتا ہوں ناظرین کو ضرور ہے جو اس بات کے جاننے کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہندوستان میں مذہب و ہابیہ کہاں سے آیا اور وہاں کیوں کیا جا رہی ہوئی لیکن اس سلسلہ کا ذکر کرنا مجھے فرض ہے کہ تاریخی پرچش بیان (اوپنی تحقیقت کم ڈیٹیل اس ساری کتاب کی) طرز تذیرو عبارت میں چند خصوصیتیں ہیں جنکو ان تمام ولایت سے باہر نہ نکلنے والے انگریزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے جو اس معاملہ کی نسبت صحیح اور سب واقعہ نتیجے مرتب کرنا چاہتے ہیں جسکو ڈاکٹر ہنٹر نے نہایت صناعی و چسپ طور پر بیان کیا ہے۔

سب سے زیادہ وصف ڈاکٹر ہنٹر میں یہ ہے کہ ان کی تحریر پر زور و صاف و جہت ہوتی ہے اور انکو شوخی تحریر انتہا درجہ کے کمال پر پہنچی ہوئی قصہ در قصوں اور شخصوں کی پوری قد آدم تصاویر کینچنے سے شوق ہے۔ انکو ایشیائی واقعات اور معاملات کے اظہار کرنے کے لئے یورپ کے استعاروں اور محاوروں کے اُستادانہ اور موثر استعمال کے ذریعہ

سے ہندوستان کی تاریخ کی دلچسپ تصویر کشی کے فن میں دستگاہ
کامل حاصل ہے۔ اس لئے ان کے خیالات و کئیات اور تعلیم یافتہ
انگریزوں کو نہایت روشن اور مطلب خیز معلوم ہوتے ہیں جو ان کی تصنیف کے
ذریعہ ایک غیر انوس مضمون کی نسبت واقفیت حاصل کرنے کی ابتدائی
کوشش کرتے ہیں مگر یہ خیر ممکن ہے کہ اصلی واقعات اور مختصر المقام
تحقیقات کو تفصیل ترجموں اور تاویلوں سے ضرر نہ پہنچے گا اور نہ کتنی ہی
صناعی خبیث نہ کی گئی ہو کیونکہ ہندوستان کی اشکال کو یورپ کی پوشاک
بغیر اسکے نہیں پہنائی جاسکتی کہ ان کے رنگ و روپ میں کچھ فرق نہ آجائے
پس وہ استعارات و تواریحی تمثیلات جن کا کثرت سے استعمال کرنا ڈاکٹر
ہنٹر کو پسند ہے اگر چہ ان میں تو موثر و ضروری ایشیا میں جہاں کہ وہ
اونکو استعمال کرتے ہیں ان کے وہی مفہوم نہیں ہیں جو یورپ میں ہیں جہاں
کہ انہوں نے انکو مستعار لیا ہے ان کے کسی قدر حق ظاہر ہوتا ہے
گو بے کم و کاست سچ نہیں۔ اور ماورائے اسکے اس صحت کو بالافہ کا
جن بسا اوقات نہایت پریشان کرتا ہے اور بہتر ہوتا اگر اس جن کو وہ
اوتار دیتے۔ ان تنبیہوں کے ساتھ اس کتاب کے پڑھنے کی ہم اولیٰ تمام
انخاص سے سفارش کرتے ہیں جو ان پیچیدہ اور متناقض حالتوں میں
سے جو ہندوستان میں انگریزوں کے تسکط عجیب و غریب پولیکل و قہر

ۛ
سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں بعض امور کی نسبت رمانستان میں شہادت
جمع کرنی اور اسے قائم کرنی چاہئے ہیں۔

کرنل میسولیس کا سالانہ ملج ثانی ہے اور ان کے پیشوا کا جوڈا کٹر
کی کتاب کی وجہ سے سالانہ میں ولایت کے مشہور اخبار آئینہ میں ملج
ہوئی تھیں اور نیز تعلیم پر چار آرٹیکلوں کا جو ہندوستان کے انبارات
میں ابتداء شائع ہوئی تھیں۔ کرنل صاحب نے ان کے ساتھ بطور میہ
اوس منٹ کو بھی چھاپا ہے جو مکالی بنے جبکہ وہ ہندوستان میں بحث
۱۸۳۵ء میں اس باب میں لکھا تھا کہ ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کی سرکاری
تعلیم کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ کرنل موصوف کلکتہ کے مدرسہ ملاس
کے پرنسپل تھے اسلئے گورنمنٹ کالج کے مسلمانوں کے حالات و خیالات کی
نسبت ان کی رائے کا حقہ توجہ کے ساتھ سننے کے قابل ہے اور انکی محبت
جسکی نسبت ہم آئندہ تفصیل بحث کریں گے باقہ حصہ اس بات کے ظاہر
کرنے کی طرح راج ہے کہ کیا غلطیاں ہندوستان میں ہماری تعلیمی پالیسی
میں واقع ہوئیں اور کیا مغالطے مکالی کی منٹ میں پائے جاتے
ہیں جس "منٹ" کا اوس وقت بہت بڑا اثر ہوا تھا۔ انہوں نے اس بات
کے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کیونکر موجودہ طرز تعلیم سے یہ نتیجہ پیدا
ہو کہ ہمارے مسلمان فیکٹور مایا کی سوشل و پولیٹیکل رتہ کو زوال پہنچا چونکہ

وزگار کی ہنسنے بند کر دی۔ وہ ہمپر یہ الزام نکالتے ہیں کہ ہم نے اساطیر
تعلیم جاری کیا، حسین ان کی کل جماعت کی جماعت کے لیے کچھ انتظام
نہیں ہوا اور جسکی وجہ سے ان کی جماعت حالت اوبار و افلاس کو
پہنچ گئی۔ وہ ہمپر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اون قانونی عہدہ داروں
کے موقوف کر دینے سے ہزاروں غلامان میں تباہی آگئی جو ایک
عقد نکاح کو شرعی منظوری بخشتے تھے۔ وہ ہمپر یہ تہمت لگاتے ہیں
کہ ہم نے ان کے دیوہ انضاد ادا کرنے کے وسائل بند کر دیئے کی
وجہ سے ان کی روحوں کو خطہ میں ڈالا۔ وہ ہمپر یہ الزام لگاتے ہیں
کہ ہم نے ان کے مذہبی اوقات کا دیدہ و دانستہ تغلب کیا اور ایک
تعلیمی سرمایوں کی نسبت ایک طرح کی خیانت خجرا نہ کی۔ وہ کہتے
ہیں کہ ہم نے اپنی فتح مندی کے وقت اونپر رحم کا کچھ اظہار نہ کیا اور
تازہ دولتمندوں کی طرح گستاخی کے ساتھ اپنے اگلے آقاؤں کو
پیروں سے روند ڈالا۔ وہ ہمپر یہ ردی کی عدم موجودگی کا اور
فراخ دلی کے ہونے کا اور سفلانہ بد نظمی اور اون بڑی حاملانہ
بدیہ کا الزام لگاتے ہیں جو سو برس کی مدت میں ظور میں آئی ہیں۔
ان الزاموں کی نسبت میں آئندہ مفصل بحث کرونگا کہ اس
دعویٰ کا لب لباب ہے جسکو ان کے لائق اور کسی قدر پرچش وکیل

نے پیش کیا ہے اور اس مقدمہ کی بحث نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ انہیں
 امور کو امور تنقیح طلب نہ قائم کریں۔ لیکن میں اول یہ کہا چاہتا ہوں
 کہ محکموں اس امر میں ہی کلام ہے کہ ان چست فقروں سے مسلمانوں
 کی عام جماعت کے جذبات اور بیانات کی اصلی کیفیت ہموکظا ہر
 ہوتی ہے۔ میری رائے اس طرف مائل ہوتی ہے کہ ان فقر و بیکار
 زور اور وزن بیشتر مصنف کی طباعی و لسانی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور
 مصنف کا صاف یہ ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ طریقہ بیان میں مزید اعتدال
 کی وجہ سے وہ مقدمہ مار سچائے۔ الفاظ مذکور زبان حال سے موزون
 معلوم ہوتے ہیں ایک باشندہ پولینڈ کے ٹھٹھہ میں جو روس کے
 زیر حکومت ہے، یا ایک یونانی کے ٹھٹھہ میں جو پچاس برس پیشتر کی
 کی جا براہ سلطنت شخصی کے ماتحت تھا، یا ایک آئر لینڈ کے رہنے والے
 روسن کی تو لک کے ٹھٹھہ میں جو گذشتہ صدی میں جا براہ تفریری قوانین کا
 پابند تھا یا کسی مفقود قوم کے یا مظلوم رعایا کے ٹھٹھہ میں جب بعض عدالتوں
 سے سستانی گئی ہو اور پولٹیکل ظلم کی جگہ میں پیسی گئی ہو۔ اس سے
 زیادہ سخت فقرے استعمال نہیں کیے جاسکتے تھے اگر ہم جیسا کہ
 ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کو کرتے جیسا
 کہ مسلمانوں سے ہندو ملکوں میں جیسا یوں کے ساتھ برتاؤ کیا

اگر ہم مسلمانوں کو مذہبی اختلاف کی وجہ سے ایسا ہی ستلے لے لیا
 کہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو ستایا تھا یا اوسی حقارت اور
 وحشیانہ بیرحمی کے ساتھ مسلمانوں سے پیش آتے جنکا میسور
 کے حیدر علی یا ٹیپو نے کافروں کے ساتھ برتاؤ کیا۔ برخلاف اسکے
 ہندوستان کے مسلمان (بہشتیائے رزائل قوموں کے) مشرقی
 معاملات میں نہایت عمدہ مدبرین اور دنیا کے کاروبار اور ایشیائی
 تاریخ سے خاصی واقفیت رکھتے ہیں اور کسی قدر سلا بعد شل تجربہ کرنے
 سے یہ بھی جانتے ہیں کہ دراصل خراب گورنمنٹیں کیا چیز ہیں، وہ اون
 سخت الفاظ کے معنی نسبت ڈاکٹر ہنٹر کے اچھی طرح سمجھتے ہیں جنکو
 کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے بلاتامل اونکی طرف سے منہ سے
 نکالا ہے یہ ممکن نہیں کہ وہ ہماری اور میزبانے پہلے حالات اور
 اپنی موجودہ حالت کی نسبت اس قدر غلط فہمی کریں کہ اپنے تئیں اس
 طور سے ستا کر سیدہ اور اپنی کل جماعت کی حالت ادبار و افلاس میں
 ڈوبے ہوئے خیال کریں۔ حکومتوں کی نسبت جو ایشیائی مہیاں
 نیک و نیکبخت زشت کا ہے اوسکے موافق وہ حکومتیں صے طور پر
 ہیں اور وہ اہل حالت کا غیر صحیح اندازہ نہیں کرتے۔ وہ ہماری
 سے اب بھی کسی قدر کم رہوں، وہ ہماری سب کو برابر کرتا ہے۔

حکومت کی بعض باتوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اوہیں ستہ رہتا ہے
 ہزار برس کے پہلی رقابت کی وجہ سے عیسائیوں کی طرف سے
 متعصب ہیں اور ترقی اور مغرب کی عادات اور اطوار کے لئے
 فرق کی وجہ سے ہندوستان کے رہنے والے انگریزوں کی طرف
 سے بدظن ہیں لیکن بہت سے الزامات جو ڈاکٹر ہنٹر لگاتے ہیں
 اس قدر محض مجھ پر ہیں۔ بعد الفہم ہیں کہ اونکی نسبت یہ خیال نہیں ہو سکتا
 کہ مسلمانوں کی جماعت کے عوام الناس جو غلط فہم ہوتے ہیں وہ
 بھی اونکا یقین کرتے ہوں اور الفاظ عدم موجودگی پر ردی، مرم
 موجودگی فراخ دلی، سفلانہ تغلب سرمایہ اور پڑی عام بدی کی
 کارروائیاں جو ایک صدی سے چلی آتی ہیں میری رائے میں
 صرف خیالات اور فقرات ہیں جنکو ایک مقرر انگریز اس غرض سے
 منہ سے نکالتا ہے کہ ایک انگریزی جلسہ کے سامعین پر اونکا نہایت
 قوی اثر ہو تاکہ اونکو وہ یہ یقین کرا سکے کہ ہندوستان کے باشندے
 فی الواقع اسی طور سے خیال کرتے اور کہتے ہیں۔

کرنل نیپولیس کی تحریر میں اس قدر گرجیوشی نہیں ہے اور وہ افسوس
 کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی وکالت میں ڈاکٹر ہنٹر نے اس قدر
 گرجیوشی ظاہر کی ہے کہ بدیہی سنت گواہیت کی مثل اونپر صادق

۱۱
 بیان پر اشارہ
 دونوں لڑائیوں کا
 کیا گیا ہے جو
 عیسائیوں اور
 مسلمانوں میں
 واسطہ فہم
 بیت القدر
 کے ہوا کہیں

آتی ہے۔ لیکن کرنل لیس نے بھی چند الزامات کی فرودپیش کی ہے
 جنہر بٹش گوئمنٹ ملزم ٹھہرتی ہے۔ منجملہ اونکے انہون نے
 مسلمانوں کی تعلیم اور اوقاف کے باب میں ہماری کارروائی کو نپو
 لائق الزام سمجھا ہے۔ دونوں مصنف بیان کرتے ہیں کہ ان خاص
 شکایتوں کے علاوہ اور انکے متعلق اور بھی دوسری وجوہ ناراضی اور
 بدخواہی کی ہیں۔ جو وجوہ لا بدی تھیں اور ہندوستان کی تاریخ کے
 واقعات سے قدرتی طور پر پیدا ہوئیں۔ الا ظاہر ہوتا ہے کہ ان
 دونوں مصنفوں کا میلان طبیعت اور خواہش یہ ہے کہ ہر ایک قسم کی
 ناراضگی کو اون فاش غلطیوں اور سوؤن سے منسوب کرین جن کا وجہ
 سے انگریزوں پر صاف الزام عائد ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر خاکر
 امور لازمی کو امور اتفاقی سے مخلوط کرتے معلوم ہوتے ہیں۔
 اون علامتوں کو جو ہمارے تعلقات مسلمانوں سے لازم و ملزوم
 ہیں اور اوتھے جدا نہیں ہو سکتیں اون اسباب کی طرف منسوب
 کرتے ہیں جو مختص المقام اور عارضی ہیں۔ اور مسلمانوں کی مبہم حسرتوں
 اور بھیننی کی شکایتوں کی تعبیر میں اون خیالات اور علمی تصورات کا
 استعمال کرتے ہیں جو ایک بالکل مختلف سواد میں اعلیٰ درجہ کی
 تعلیم پائے ہوئے یورپین کے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ خود

اور اونکی وجہ سے اونکی کتاب کے ناظرین بہت چیزوں کو غلط آواز دیا
 کے ذریعہ دیکھتے ہیں اور اپنے واقعات کے وزن کو دھوکے کی
 ترازو میں تولتے ہیں۔ اور جبکہ واقعات کے اندازہ میں اونکی آنکھوں
 اونکا ہاتھ زیادہ سچا رہتا ہے تو تناسب قائم رکھنے کے خیال سے وہ
 انگریزوں کے نقبوں اور غلطیوں کی نسبت مبالغہ کرنے ہیں اور انکو
 خوب رنگتے ہیں تاکہ اون حد سے بڑھے ہوئے نتائج کے لئے کافی
 اسباب نظر آویں جنکو ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا طرز مباحثہ اون اسباب
 منسوب کرتا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا نہ انکار کرنے کی
 ضرورت ہے کہ ابھی ہندوستان کے مسلمانوں کے بعض گروہوں
 میں ناراضگی باقی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اون باغی و مایوں
 کی نو آبادی جو شمال غربی سرحد کی اوس طرف وحشی پہاڑی قوموں میں
 قائم ہوئی ہے صاف صاف پنجاب میں انگریزی سلطنت کی ایسی ہی
 جانی دشمن ہوگی جس طرح کہ وہ سکھوں کی سلطنت کی تھی جو ہمارے
 پیشروان تھے۔ اور بہت عرصہ ہوا کہ مسٹر ڈیو پلکیر نے اپنی کتاب
 میں تحریر کیا کہ تمام ایشیا میں وہاں کے غیر صلح جو اور مائل بھاد
 کے برعکس ایسی سلطنت کو خواہ ترک ہو خواہ انگلش۔ ڈانوان فول
 کے واسطے ہر ایک خفیہ اور ظاہر ذریعہ کی بخشش میں رہتا ہے۔

اگر وہ سلطنت مستعصب اور اندھا و چند مذہبی بے اعتدالی کی مزاحمت
ہوتی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ان وہابیوں نے ایک وقت بنگال
کے صوبہ میں خفیہ سنگین سازشیں کی تھیں اور غیر وہابی مسلمانوں کے
گروہ نے وہابیوں کی سازش پر چشم پوشی کی یا جان بوجہ کراؤ نکالنے
نکلیا یہ قدرتی بات تھی کہ وہ اپنے مذہب کی فوقیت کو ترجیح دین اور
شاہ بلوط نکالنے کے لئے وہابیوں کو آگ میں ہاتھ ڈالنے سے
نروکین۔ یہ امر یقینی ہے کہ ابھی اس قدر عرصہ نہیں گزرا ہے کہ مسلمانوں
کے وہ دل کے زخم بھر گئے ہوں اور وہ عناد رخص ہو گیا ہو جو اس
حالت کے لازم و ملزوم ہیں جب کہ اعلیٰ درجہ سے تنزل ہو اختیار
مسدود ہو جاوے اور ایک جبر پسند حکمران گروہ ایک متقل قانون
کی نگاہ میں اور گروہوں کے برابر ہو جاوے۔ پراس قسم کے
ناگوار انقلابات جماعتوں اور افراد کی تاریخ میں ہمیشہ واقع ہوتے
ہیں یہ کیفیت آؤں مقابلوں اور افسری کے لئے جھگڑوں سے جدا
نہیں ہو سکتی جو دنیا میں ہر قسم کی ترقی کے واسطے شرائط ضروری
ہیں۔ اور مسلمانوں کی عالی دماغ جماعت بھی جو کبھی ملک گیری اور
فتح مندی سے بہرور تھے اس بات کے ناقابل نہیں ہے کہ اس
انقلاب زمانہ کو بلا کسر شان مان لے مگر امر بحث طلب ہے کہ آیا

عہد حکمرانی کا ختم ہو جانا اور اسکی بجائے غیر سلطنت کا قائم ہونا
 ایسی تبدیلیاں ہیں کہ جسکے باعث سے ایک ایسی جماعت کو جو
 اشتراک مذہب کے رشتہ سے وابستہ ہیں اوسی قدر صدمہ
 پہنچتا ہے جیسا کہ کسی ذات یا زمانہ حال کی کسی قوم کو اور آیا
 رشتہ ہم قومی جو ہندوستان کے مسلمانوں کو اصلاً معلوم نہیں
 ہے زیادہ تر باز کشتے نہیں ہے یہ نسبت ہم مذہبی کے تاہم بلاشبہ
 ان تمام باتوں کے اجمال سے ہندوستان کے مسلمانوں کا
 ایک دعویٰ پیدا ہونا ہے جسپر ہندوستان میں انکو جو انکے یعنی مسلمانوں کے
 بعد حکمران ہونے میں احتیاط اور علم سے سحاط کرنا چاہیے۔ اگرچہ
 امر واقعی یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کو کھٹکانے
 نے نہیں زوال پہنچایا کیونکہ قبل اسکے کہ ہم نے اپنی سلطنت کی عمارت
 کٹری کی ہو مسلمانوں کی سلطنت تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ ہم کو
 یہ ہی اقبال کرنا چاہیے کہ گزشتہ ساٹھ برسوں میں باوجود اپنی
 نیک نیتی اور اعلیٰ درجہ کی ایمانداری کے گورنمنٹ انگلشیہ ایسی
 آشوار اور پیچیدہ امراض کے ہوشیاری اور نرمی کے ساتھ علاج
 کرنے میں اکثر ناکامیاب ہوئی ہے۔ اگر وہ اسے صحیح ہے جو
 یہ تجویز ملے ہوئے ہے ہماری نسبت قائم کی ہے تو ہم محکوم رعایا کے ساتھ

۴
 ہندوستان
 کے
 مسلمانوں
 کی
 سلطنت
 کو
 کھٹکانے
 کے
 بعد
 حکمران
 ہونے
 میں
 احتیاط
 اور
 علم
 سے
 سحاط
 کرنا
 چاہیے۔

اپنے برتاؤ میں اظہار محبت اور ہمدردی کے لیے مشہور نہیں ہیں بلکہ
اختلاط کے لیے ہماری طبیعت و ذہنی اغراض کی قوت پر زیادہ تر
بھروسہ کرتی ہے۔ اور ہمارے ذہن میں کھبا ہوا ہے کہ جسمانی
آزادی اور آسائش اور زخموں کا کافی مہم جوگی جو ہماری کلیدی
نے بالضرور اور لوگوں کے غرور اور تعصبات پر لگا ہے جن کے
ہم پر شکل حکومت میں جانشین ہیں۔ غرض کہ ہم آدمیوں کی اغراض
زیادہ مد نظر رکھتے ہیں اور ان کے جذبات پر بہت کم لحاظ کرتے
ہیں۔ یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ہم مشرقی بیماری دل کے سبکد
معالج نہیں ہیں۔ لیکن یہ امر اس اقبال ہے بالکل مختلف ہے کہ ہم
خود اس بیماری کے پیدا کرنے والے ہیں یا یہ کہ اس بیماری کے
کوئی ایسا خاص آثار یا عجیب شدت ہے جس کا باعث صرف ہماری
لا پرواہی و غفلت اور ناواقفیت یا صاف عداوت خیال کی جاوے۔
ہم یہ رجحان مان سکتے ہیں کہ ہماری ہندوستان کی فحش مسلمانوں کو
ناگوار گزری اور بعض صورتوں میں ان کی مخالفت سے ہکو نہایت
تک پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن بالکل ہم لاچار ہیں اور اسکو دفع نہیں کر سکتے
جتنا ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس امر کی تحقیقات کی جاوے کہ تک
یہ لاپرواہی کہ درمیان کشتی جاسکتی ہیں آیا خاص خاص شکایات ہیں جن کو

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

اوس حالت کی نسبت جو ہمارے روبرو ہندوستان میں ہے
صاف رائے قائم کرنے کے لئے ہم کو چند مہمیں چھپے جانا چاہیے۔
بقول مسٹر ڈیلیوچی پالکریو کے ملکی اور دینی معاملات مسلمانوں کے
ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں پس یہ بات ناممکن ہے کہ ہندوستان
میں مسلمانوں کی حالت کے مذہبی پہلو پر ہم بحث کر سکیں بغیر اسکے کہ
ہم اسکے ملکی پہلو پر اول نظر ڈالیں۔ ہندوستان میں انگریزوں
کی سلطنت مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے بعد اس قدر جلد
پہنچ گئی اور مسلمانوں کی وسیع سلطنت کی بربادی پر دولت انگلشیہ

کی عمارت ایسی وسیع تعمیر ہوئی کہ عجب نہیں اگر عوام الناس سلاطین
 کی تمام مصیبتوں کو ہماری طرف منسوب کرتے ہوں مگر تمام تواریخ
 کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی کے وسط تک
 اعلیٰ مغلہ ٹکڑے ٹکڑے اور تباہ ہو گئی تھی اور ایک صوبہ کے بعد
 دوسرا صوبہ ہمارے ماتھے آتا گیا کیونکہ اس وقت شاہی عمارتیں
 تک بوسیدہ ہو گئی تھیں اور اسکا ہر ایک عضو شل ہو گیا تھا اور
 ہم ہی ان میں مرہٹوں کے ہون کو بھگا دینے کے قابل تھے جو اس
 سبب نفش کو فوج کھسٹ رہے تھے۔ جب کہ ہم نے مرہٹوں کو
 دہلی اور آگرہ سے نکال دیا تو مسلمانوں کی منہدم بادشاہت
 کی غیر محفوظ دارا خلافت تھی جب کہ ہم نے شاہ مغلہ کو ذلت اور گرفتاری
 سے بچایا اس وقت ہم نے پنجاب کو (وہ سرزمین جہاں کہ مسلمان سب
 سے زیادہ زور آور اور قوی تھے) سکھوں کے قبضہ میں پایا ہر شخص
 جانتا ہے کہ اوس مہیب جنگ اور سلطنت کے منتشر کرنے میں ہمارا
 کتنا نقصان ہوا جس نے مسلمانوں کو بالکل مغلوب کر لیا تھا اور
 جس نے افغانوں کو بھی دریائے سندھ کے اوس پار سے نکال دیا
 اور انکو انکی سپاڑیوں میں بند کر دیا تھا۔ لیکن میں گذشتہ صدی
 کے اخیر میں ہم نے نظام کو جو اس وقت اور تیراب بھی مسلمانوں میں

رئیسِ اعظم ہے اوس بتا ہی سے بچا یا جو بالیقین قریب الوقوع تھی۔
 بنے اوں چھوٹے چھوٹے روس، کو صرف محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ انکو
 از سر نو قائم کیا جنہوں نے نیابت کے درجہ سے خود مختاری حاصل
 کی تھی۔ بعض روساء کو ہم نے تخت سے اتار کر انکی پیشینہ مقرر کر دی
 غرض کہ ہماری حکمتِ عملی ایک دیر پا اور پرخطر تنازعہ کے اتفاقات
 اور حادثات پر مبنی تھی جو احسانات ہم نے کیے حسب معمول لوگ عرصہ
 ہوا بھول گئے اور نقصانات ہمیشہ تازہ بنے ہیں۔ یہ بات تو سمجھ میں
 آ سکتی ہے کہ غاصبون اور کٹ پتلیوں کی طرح برائے نام حکمرانوں
 کی پیشینہ یافتہ اولاد کو اونسکے ہم مذہب لوگ صحیح النسب خاندانوں
 کے ستم رسیدہ وارث گردانیں سرکار کے فوہ افعال جو درجہ اعتبار
 سے خارج تھی اور جو سابق کی جنگ اور پل پل کے زمانہ میں بمقابلہ
 حال کے رحم سے خالی تھے اگر آج کل خلاف دیانت اور طمع پر مبنی
 سمجھے جاویں تو کیا عجب ہے لیکن تعجب کی بات تو یہ ہے کہ انگریزوں
 کے ساتھ بیٹھ کر رونے پر آمادہ ہوں اور اپنی علمی ہلاکت کو اوں کو نکلنے
 نظامِ ٹھہرائے میں خیر کہیں جنہوں نے انگلستان کے لئے ایک
 سلطنتِ عظیم اوی قدر جفاکشی اور دلیری سے حال کی جس قدر انصاف
 تھا کہ اوں نے اس ملک میں امن اور انتظام قائم کیا بلکہ

پر حسرت مہینوں میں کچھ بے سُر اپن سہ او اسن کے وقت میں
 اون لوگوں کا ساتھ چھوڑنے کی طرف رجحان طبعیت معلوم ہوتا
 ہے جو جنگ وابتیری کے ایام میں بلا تامل و حجت ہمارے خوب
 کام آئے تھے۔ ہم سب لوگ جانتے ہیں کہ کس قسم کا ترکہ داؤد نے
 زیرو کی اولاد کے لیے چھوڑا جنکی شمشیر دن نے اس کے رقیبوں
 اور دشمنوں کو مار کر اس کے تخت کی راہ صاف کر دی تھی اور معلوم
 ہوتا ہے کہ بعض اوقات انگلستان بھی اسی قسم کے بالک کفارہ کی
 خواہش کرتا ہے۔ وہ لوگ جو مستقل مزاجی سے اس مملکت کو قائم
 رکھتے ہیں جسکی بنیاد پڑے ہوئے توڑا عرصہ ہوا وہ لوگ جو
 اپنی اولاد کو اس ترکہ عظیم کو چھوڑ جانے کے حازم ہیں جو انکو
 بزرگوں سے امانت ملا ہے انکو ان شکستوں اور دلی وسوسوں
 اور دھڑکوں کی چوٹ سہنی چاہیے لیکن جیون بین یہ عمارت
 مستحکم ہوتی جاوے گی تیون تیون پرانے کپنہ کی آگ بجھتی جاوے گی
 مگر اسوقت جبکہ انگلستان اون لوگوں کی زبردستی اور برائی کا
 جنون نے ہندوستان کو انگلستان کے واسطے فتح کیا کفارہ
 دینے کو حد سے زیادہ آمادہ ہے اور جبکہ اہل اسلام نہ تو پرانی
 باتوں کو بالکل بھول گئے ہیں اور نہ نئی باتوں سے عمدہ طور پر

مانوس ہوئے ہیں جاے افسوس ہے کہ بہت سے اسباب سے
 جمع ہوئے ہیں جو ہندوستانی مسلمانوں کو ان کے پیکل زوال
 کی قدرتی نتائج کی بار بار یاد دلاتے ہیں۔ جب تک ہندوستان
 میں جنگ و جدال کا قدیم زمانہ رہا عام شکایتوں کا بہت کم پڑھا
 مسلمان لوگ ہندوستان میں بلحاظ پیدائش اور پیشہ کے
 قسمت آزمائی کرتے آتے تھے۔ وہ یا ان کے آباؤ اجداد یا شتنا
 نو مسلم ہندوؤں کے ہمیشہ مغربی ایشیائے ہندوستان میں
 تلاش کروڑگار ملکی خواہ جنگی آتے تھے۔ وہ شاذ نادری نو آباد
 یا سوداگر ہوتے تھے وہ عموماً سپاہی بن کر قسمت آزمائی تھے۔
 ہماری شمالی لڑائیوں میں مسلمانوں نے خوشی سے ہماری فوج
 میں نام لکھایا اور گورکھوں اور سکھوں اور مرہٹوں کے مقابلہ میں
 وہ ہمارے فخر مند جہندوں کے ساتھ رہے اور ہمارے ساتھ
 کابل و قندھار فتح کرتے رہے جو مسلمانوں کے شہر نہیں اور آج تک
 وہ ہمارے لئے اون جنگلی اقوام کے مقابلہ میں بہادری سے لڑتے
 ہیں جو ہندوستان اور افغانستان کی سرحدی تنازعہ فیہ اراضی
 میں رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ہنٹر نے مسلمانوں کی اس جہادی تفریق پر
 بہت زور دیا ہے جسکی اشتعالک سے ہم نے ۱۸۶۳ء میں اسیلہ

کی جنگ اول متعدد آزاد اقوام کے مقابلہ میں کی جو ہماری
 شمال مغربی سرحد کے اوس پانچویں پہاڑیوں میں رہتی ہیں حساب
 موصوف اس مہم کے اسباب کا سراغ ہماری ہی رعایا
 بداندیشی تک لگاتے ہیں لیکن انکو یہ ذکر کرنا مناسب
 نہیں کہ اس چوٹی سی لیکن سخت لڑائی میں ہمارا ایک
 ناکہ جاتا رہا اور ایک خوزیز جنگ کے بعد پیرانگزیون
 کی ہندوستانی فوج نے پھر قبضہ کیا تو اس وقت وافر
 میں سے ایک مسلمان تھا جو دشمن کی بندہ رہا تھا اس کی
 بوچھا میں تلوار ہاتھ میں لیے اونچی پہاڑی پہنچا اور
 حملہ آور گروہ کی کمان پر تھے جنہوں نے سرحد کے نہایت گھوڑ
 اور جہادی آدمیوں کا مقابلہ کیا اس طور پر میدان جنگ میں
 مسلمانوں نے ہمارے ساتھ خاصی خیر خواہی ظاہر کی ہے اور
 انہوں نے ہماری ماتحتی میں اوس زمانہ تک بلا شکوہ و شکایت
 ملازمت کی جب تک کہ ہم نے دیسی طریقہ سول انتظام کا قائم کیا
 اور ایام میں جبکہ نگرانی میں پہلو تھی ہوتی تھی تعلیم کا پیمانہ
 ادنیٰ درجہ کا تھا اور عمال ہمیشہ سے زیادہ ذی اختیار تھے کیونکہ
 وہ اسی گورنمنٹ کے قائم مقام تھے جس کا مقابلہ محال تھا لیکن

۱۸۸۷ء کی پنجاب کی دوسری لڑائی کے بعد ہندوستان
ہمارے قدموں تلے آگیا۔ بڑی بڑی فتوحات خانہ کوٹھن
اور ان کے بعد سکون فتنہ و فساد عالم اور دیرپائی امن کے کیرے
لگنے شروع ہو گئے اور انگلستان میں ملکی اور فوجی نظم و نسق
کی باگین ہاتھ میں لی گئیں اسلئے زیر انتظام انگلشیہ ملک بہت
سی دولت قلم سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی اور اس سے بھی کم
تلاوار سے اور ہمنے رفتہ رفتہ ناگپور جھانسی اور آودھ کو اپنی
سلطنت میں شامل کر لیا اس طرح اون درباروں اور لشکروں کا
ناتمہ ہو گیا جہاں کہ خوش قسمت پکتان یا چالاک دربار رسوں
کی بے ترتیب بلند چوٹ کی نگیل کا کچھ موقع باقی تھا۔ بہت عرصہ
ہوا جب کہ جنرل آر تھروسل نے اپنے مراسلات میں تحریر کیا
کہ جس قدر ہمارا اختیار اور ہماری حکومت پھیلتی جاوے گی اسی قدر
ہندوستان کی اون قوموں کی ناراضگی روز افزون ہوگی
جو قسمت آزمائی پر بسر اوقات کرتے ہیں اور نیز اون لوگوں
کی جنگی روزی کا مدار غیر متدین دماغ یا بانو پر ہے کیونکہ ہمارے
شاہانہ حکومت ہندوستان کے امن کو خالق رکھتی ہے اور اس
بات پر اصرار کرتی ہے کہ وہ اون ریاستوں میں جس سے ہمارے

[illegible]

اتحاد سے ان ریزاون بھون میں جو ہمارے قبضہ اقتدار میں
 ہیں عام اس اور چین پر قرار رہے۔ اور یہ تمام کارروائیوں کو
 بند کر کے جو نہایت قدیم طریقہ زندگی سے نئے طریقہ میں ہونی
 لگا ان کو نفع حاصل کر کے گزری کیونکہ مجمع جہگون کی
 رازہ جو سرداروں سے ایک رٹیل نار شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے
 اور نہایت مفلس تک کیواسطے جو وسط ایشیائے اوس کے
 بھٹنہ ون کے ساتھ آیا تھا ہندوستان ایک سونے کا ملک تھا
 جہاں پر کہ نسا دو ہنگامہ کے زمانہ میں نہایت جلد دولت ہاتھ
 آجاتی تھی۔ یہ بھینی کی کیفیت (اگر ڈاکٹر ڈیٹر کا فقرہ استعمال کیا جا)
 تمام ہندوستان پر چھا رہی تھی جبکہ ہمارے ہندو سپاہیوں
 بغاوت عظیم واقع ہوئی۔ دہلی لکھنؤ دیگر مرکز ہمارے ناراضگی میں
 مسلمان و بابے بغاوت میں مبتلا ہو گئے اور فوراً اوس کے سرگروہ
 بن بیٹھے اور سپاہیوں کے دشمنانہ اور بے مقصد غصہ کو اپنی
 اور صاف پولیٹیکل اغراض کے لئے استعمال کرنے لگے۔ اسکا نتیجہ
 ہوا (جیسا اون سب لوگوں کو یاد ہو گا جو ۱۸۵۷ء میں شمالی
 ہندوستان میں موجود تھے) کہ انگریزوں کا غصہ مسلمانوں پر
 جنگو اہنوں نے واقعی اپنا دشمن اور نہایت خطرناک رقیب خیال کیا

سنیئے اس بغاوت کی ناکامیابی بہ نسبت ہندوؤں کے مسلمانوں
 کے لئے زیادہ ترسہ ہوئی۔ اور چونکہ ہندوؤں پر شیشینی فوجیت
 رہا سہا اتر چھا وہ بھی باہر ہار رادسی۔ ت اور۔ نیکے بیہ ۱۰
 حکمرانوں کا اونپر اعتماد جاتا رہا اور اسی تاریخ سے ملکی اور فوجی
 خدمات کے اعلیٰ درجہ کے ماتحت عہدوں پر مسلمانوں کی تعداد
 میں کمی واقع ہوئی۔ قس غدر کے اون عمدہ ترین عہدوں پر بہت
 ہندوؤں کے مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جنہر شمالی
 ہندوستان میں ہندوستانی لوگ مامور ہو سکتے تھے اور
 زمانہ سے اونکی تعداد کم ہوتی گئی اور اگرچہ بحیثیت مجموعی وہ اپنے
 گروہ کے متعدد فرقوں کی ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے ذمہ دارین
 ہیں تاہم بعض صوبوں میں قدرتی طور سے اونکو اوس زمین کے
 رہائے میں بہت وقت پیش آئی ہے جو اونکے پریر کے
 سے اوس وقت نکل گئی جب کہ اونہوں نے اخیر بیباکانہ جست اور
 سلطنت کے سایہ کے پھر چال کر نیکے لئے کی جسکو وہ کو بیٹھے تھے۔
 تاریخ پر ایسی مختصر نظر اندازی ضرورت تھی کیونکہ مسلمانوں کی
 موجودہ مذہبی کیفیت اونکی پوئیکل اور سوشل بدبختیوں کا عکس ہے
 پہنچنا آسان ہے کہ کیونکہ ان مصیبتوں نے ایک ایسی جماعت

خاص فرقوں میں جہاد کو تحریک دی جو کہ مذہب و قومیت سے
 بوجہ مذہب کے ایک رشتہ سے وابستہ اور ایک احاطہ
 میں اور جنکے لئے گذشتہ صدی کے اخیر میں ہندوستان پر
 ان کا زوال اور ان کے مذہب پر ایک صریح آفت تھی کیونکہ او
 ان کی یہ ہدایت ہے کہ اسلام کے نام سے بطلان میں قائم یا
 ناپاک کریں جیسا کہ کرنل ریس فرماتے ہیں قرآن کے احکام
 و نواہی کے لئے موضوع ہوئے تھے اور اگرچہ ایسی آیتیں ہمیشہ
 مل سکتی ہیں جو دوراندیشی اور نیکوئی کی کارروائی کو جائز کرتے
 ہیں لیکن ایسی تاویلات اور نئے پیغمبر کی رسالت کے
 اصول سے لادبی طور پر متناقض ہیں اور اوس طریقہ
 سے غیر موزون ہیں جو ان کے نبی نے موضوع
 کیا حال میں علماء اسلام نے شرع محمدی کے نازک نازک
 مسئلوں میں بہت سادہ اور منطقی اس امر کی تحقیقات میں خرچ کیا
 ہے کہ آیا شرع کے موافق کفار کی حکمرانی کی اطاعت جائز ہے
 یا قطعی یہ حکم ہے کہ مخالفت کیجاوے گو یہ مخالفت خلاف مصلحت ہو
 اور اطاعت آسان ہو۔ اور ڈاکٹر ہنریہ تحریر فرماتے ہیں (قریب
 قریب اس طور پر گویا اوسکو واقعی صحیح باور کرتے ہیں) کہ ملک عرب

کے متبرک شہر (مکہ شریف) کے تین سنی مولویوں کے سوچ بچار پر
 یہ امر کئی مہینے تک مختصر رہا کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر
 کرنا یا نہ کرنا فرض ہے (صاحب موصوف اوس واقعہ کا ذکر کرتے
 ہیں کہ مکہ کے علماء سے یہ استفسار کیا گیا تھا کہ آیا مسلمان شہر یا
 اطاعت خاموشی سے تسلیم کر سکتے ہیں یا نہیں) اور ایک باب کا
 باب اون مختلف شرحوں کی بحث میں خرج کیا ہے جو مختلف گروہ
 علماء نے کی ہیں اور جو اس امر تفتیح طلب سے متعلق ہیں ظاہر
 اونکو یہ رائے ظاہر کر کے ولایت میں تعلیم و تربیت پائے
 ہوئے انگریز ناظرین کے ڈرانے میں لطف آتا ہے کہ اونکی
 رائے میں اجتماع شہادت اس طرف ہے کہ جہاد اہل اسلام کا
 ایک ضروری مسئلہ ہے لیکن برخلاف اسکے سید احمد خان نے اہل
 چٹھون کے سلسلہ میں جو شیعہ میں ہندوستان میں طبع ہیں
 یہ بات ثابت کرنی چاہی کہ بلحاظ اون واقعی تعلقات کے جہاد کو
 انگریزوں کے ساتھ ہندوستان میں ہیں مسلمانوں پر جہاد
 فرض نہیں ہے اور یہ کہ وہ نتائج جو ڈاکٹر ہنٹر نے قرآن اور اوسکی
 تفاسیر سے نکالے ہیں نہایت گہنچ کمانچ سے حاصل ہوئے ہیں
 بلکہ بالکل ناچاہنے میں سید صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس امر کے

قتاوے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر کسی طرح بغارت رہا نہیں
 نہیں ہے مسلمانوں نے اپنی اضطرابی یا فکر کی وجہ سے نہیں
 سگوائے تاکہ ان کے دل کی تشفی ہو اور اپنے فرائض کی نسبت
 ان کے شہادت رخص ہو جاوین بلکہ انگریزوں کے متواثر طائفہ ان
 اور دہی خیالات کی وجہ سے جنہوں نے مسلمانوں پر اس بارہ
 میں اتنا زور ڈالا کہ مسلمانوں کو دنیا کی نگاہ میں اپنے آپ کو در
 اور بے عیب ثابت کرنا پڑا۔ اور اس بیان کے قرین قیاس ہونے
 کی تائید کرنل لیس کی اوس چٹھی سے ہوتی ہے جو عہد
 موصوف نے اخبار ٹائمز میں مشہر کی تھی اور جس میں کہ علی صاحب
 کہتے ہیں کہ میں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں
 مقام قاہرہ میں شیخ الاسلام کے ساتھ نہایت سنجیدگی اور متانت
 سے مباحثہ کیا۔ ہر ایک بحث کرنے والا اپنے مفید قول پر زور
 دیتا تھا۔ ایک قول یہ کہ مارو تم اونکو جہان کہ پاؤ تم اونکو دوسرا
 قول یہ کہ ”تمکو اپنی ہلاکت پر بے ڈھکر مستعد ہو جانا کسی طرح قرین
 نہیں ہے۔“ ظاہر ہے کہ ایک مثبت اور ایک منفی حکم کے مقابلہ کا
 نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہیں انکے رہنا پڑتا ہے اور منطقی بازی چوہری
 قائم اٹھتی ہے انکا کچھ اثر دیا کہ واقعی کاروبار نہیں ہوتا۔

یہ سب باتیں
 جو مسلمانوں
 کے بارے میں
 لکھی گئی ہیں
 ان کے خلاف
 ہیں۔

یہ باتیں
 جو مسلمانوں
 کے بارے میں
 لکھی گئی ہیں
 ان کے خلاف
 ہیں۔

اور ہوشیار لوگ اس پر غور کیا۔ اس میں ہے لیکن متین اور ہوشیار لوگ
 اس پر غور کیا۔ اس میں ہے لیکن متین اور ہوشیار لوگ
 کوئی عین الہیہ سہا لی خاطر اپنی جان خطرہ میں نہیں ڈالتا
 تاوقتیکہ کہ وہ قول اوسکے خیالات اور تدابیر کے موافق نہیں ہوتا
 اور اوس فعل کی جو کہ مناسب وقت اور قرین مصلحت ہوتا نہیں
 کرتا تمام مباحثین اقرار کرتے ہیں کہ کوئی گروہ مسلمانوں کا
 صرف مولویوں کے فتویٰ کی خاطر سے بے سود بنا دیتا
 قدم نہ لگے گا یعنی یہ ضرور نہیں ہے کہ جس طرح پر یوی کو ان کی
 تجویز کا اجراء پادریوں کے نائب کے خلاف ہوتا ہے اور
 طرح پر فتح کے فتوے کا اجراء کہ بہت درست اور فائدہ مند
 ہو۔ اصل تو یہ ہے کہ اقوال اور کیا ہی بہت تحقیقات
 صرف اوس رائے کی موید ہے جو بین میلہ ظاہر کر چکا ہوں یعنی
 یہ کہ بعض مصنفوں کا رجحان طبیعت اس طواف ہے کہ ہماری طرف
 بدگمانی اور ہم سے مذہبی نفرت کے ان خیالات کو مختص الامور
 مختص المقام اسباب سے منسوب کریں جو خیالات قدرتی طور
 سے دین اسلام کی عام ترکیب کے ساتھ (بلحاظ اوسکی موجودہ
 فہمی حالت اور ہندوستان میں اوسکی واقعی حالت کے)

لازم و ملزوم ہیں۔ ان بانور۔ ثنی الحقیقت مقدس کتابوں
 مکہ کے فتاوے سے بہت کم تعلق ہے۔ چونکہ مسلمانوں پر
 مسائل صاف طور پر چھیڑ چھاڑ میں پیشقدم اور مذہبی امور میں جان بڑانہ
 ہیں اور انکی طرف سے ہلکواندیشہ رہیگا جب تک کہ مذہبی خیالات اس
 درجہ کی غیر صلح اور غیر دیار حالت میں رہینگے کہ وہ صاف
 طور پر تمام گرجوں میں مقید ہیں کہ اس مسئلہ کی طرف فطری
 رجحان طبیعت اور فیہرینہ ہیں کہ انکا مقدم فرض یہ ہے کہ
 مخالفہ اور ضرورت ہووے تو تعدی ہی کرین آج کل
 کے اندیشہ کو خیالات کی یہ حالت عجب بقاعدہ معلوم ہوگا
 بلکہ یہ سرف بیوقت کی شنائی ہے۔ وہ بیچینی کی کیفیت جو تمام
 شہرستان میں آج کل پہلی ہے بجز اوس صدمہ کے کہ
 نہیں ہے جو کئی صدیوں تک سارے عیسائی یورپ میں جاری
 تھا اور جسکو اس زمانہ کے مسئلہ جواز مذاہب اور اس زمانہ
 کی مذہبی لاپرواہی نے انگلستان سے ہی ابھی تک باطل
 دور نہیں کیا۔ یہ وہی جذبہ ہے جسکے موافق عرصہ دراز تک
 یہ بات خدا کے خلاف گناہ خیال کیجاتی تھی کہ ایک بدعتی حکمران
 کے ساتھ صرف پوشیدہ دلی عناد رکھا جاوے کیونکہ قبول

کالوین کے ”اگرچہ بادشاہ کی اطاعت خدا کی اطاعت کے مطابق ہے لیکن اگر کوئی بادشاہ خدا کے اختیارات پر غاصب ہو تو کھو بادشاہوں کی اطاعت اسی درجہ تک فرض ہے کہ خدا ناراض ہو“ اور چونکہ علم الہی کا جاننے والا خدا کے اختیارات کے تعین کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ فرض کر لیتا ہے کہ جس بات سے اس کے مذہب کے اغراض کو نقصان پہنچتا ہے اس سے خدا ناراض ہوتا ہے اور برخلاف اسکے اس کی خدمت کی غرض سے تمام افعال جائز تصور کیے جاتے ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ کوئی صرف دنیاوی گورنمنٹ جو صرف امور دنیاوی کے معمولی اختیارات اور انتظام قائم رکھے لوگوں کو ناراض کرنے سے بچ نہیں سکتی اس حالت میں جو گورنمنٹ ہوگی۔ (اور ہندوستان کی گورنمنٹ اس حالت میں ہے) گو وہ گورنمنٹ کچھ ہی کیوں نہ کرے اس کو ہمیشہ یہ دقت پیش آویگی کہ اس کی نسبت عظیم غلط فہمیاں ہونگی ایک قسم کے عوام میں مطعون ہوگی (گویہ طعنہ زنی اوں دینداروں کی جانب سے جو معقول پسند اور سلامت رویہ میں اصلی اور دلی نہواور زیادہ تر مصنوعی اور اظہار توافقی کی غرض سے ہو) اور اس کی نسبت غائب درجہ گمراہیوں کی طرف سے شدید کھلی بغاوت ہوگی۔ اگرچہ

یہ بات تمام مذاہب میں ملتی ہے لیکن یہاں اس کا اظہار ہے

ہندوستان میں مثل وہابیوں کے پورے اور کرمچوش مہاتما
نقدادین کم ہیں اور عام پسند نہیں لیکن وہ ایک بڑے
کرہاء کے کیچے قہمی آنچ کی مانند اس کثیر جماعت کے
خیالات کو نیکرم رکھتے ہیں جو اپنے خیالات کو اس قدر درجہ
تک اوہلئے نہیں دیتے ہیں کہ وہ خطرناک بھک سے اوڑ جائیں
حالت کو پہنچیں یا صرف مذہبی جوش کے باعث غیر ممکن التسخیر اور
لازمی واقعات کے خلاف بے سود امیدوں کی پیروی کرنے
کی اپنے تئیں اجازت دیں۔ اگرچہ مسلمان چکدار تا دیوان
ذریعے اور تالچ سے گریز کرنا چاہتے ہیں جو صریحاً مباح
اور عملدرآمد میں خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ جذبہ
شدید جبر اور وارکھا ہے محض وحدانیت واسلئے نہیں
بالکل خفتہ کہی نہیں رہ سکتا جس مذہب کا دعویٰ یہ ہے کہ سار
جہان میں مذہبی جبر کرنا اوسکا حق اور فرض ہے اور جو مذہب
ایک غیر طر فدار گورنمنٹ کی وجہ سے صرف اور مذہبیوں کے
مساوی درجہ پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ عام تجربہ کے خلاف ہوگا
اگر وقتاً فوقتاً یہ جذبہ ویسی ہی مخالفت پیدا کرے جسکو مذہب
اور سنجیدہ حکمت عملی کے خیالات نے یورپ میں قریب قریب

خفتہ کر دیا ہے۔ یہ لٹا بیابانہ ہو گا کہ ہندوستان میں یہیانی
 اوس میرا نے جہ سے بالکل متبرک ہو چکے موافقہ ایکے نذر
 حکمران سے لے کر عوامی فرائض میں مذہبی رنگ بھی شامل تھی
 یہ کہ بہت زمانہ نہیں گذرا کہ ایسے پیش قدمی تھے جو اس بات
 سے زیادہ اور کوئی بات پسند نہ کرتے کہ وہ وہابیوں کے ساتھ
 ہتھیاروں اور اونہیں کے غارت درجہ کے اصولوں کے
 موافق زور آزمائی کریں اور مذہبی لات گونسوں کے فیصلہ
 کریں کہ کونسا مسئلہ حق ہے۔ انصاف پسند مسلمانوں کو تسلیم
 کرنا چاہیے کہ عیسائیوں میں بھی روادار کہ اقرب مصلحت
 اوس سچے تعصب کا اون مسائل سے متفقین کے ساتھ جو
 خیال کیے جاتے ہیں اور اوس میں انکمان کا جو ملان بھی
 معاملات میں نہایت قابل حفوظ یقین آتے ہیں لیکن یہ اندرونی
 یقین کہ فریقین میں باہمی حجت فرض ہے اور یہ اعتقاد کہ ایک
 مذہب پر دوسرے مذہب کا تباہ کر دینا فرض ہے بعض اوقات
 اوس فریق کے غصے کو تلخ کر دیتا ہے جو پوٹیکل رتبہ میں زیر ہوتا
 ہے اس یقین سے یہ شبہ پیدا اور قوی ہو جاتا ہے کہ زیادہ
 طاقت و مذہب اپنی دنیاوی افسری کو بے انصافی سے آہمال

کریگا۔ یاد جو۔ اون تمام تر یرون کے جو انگریزی گورنمنٹ کرتی
ہے ہمارے بدخواہوں نے ہمارے برخلاف ہمیشہ یہ نل مچایا
کہ لوگوں کو ہم زبردستی اپنا مذہب اختیار کرانا چاہتے ہیں اور
ابھی تک جہلا اس بات کو بکثرت یقین کرتے ہیں۔

ہندوستان کے سفر نامہ کی ایک کتاب جو حالی میں ایک
پارسی نے شائع کی سبہ اوسمین مصنف یون تحریر کرتا ہے۔ جن
چند مسلمانوں سے میں نے اس معاملہ میں گفتگو کی ان کے دلنہر
یہ بات نقش کا گجر ہو رہی ہے کہ ہمارے حاکم اس ملک کے لوگوں کو
جس طرح ممکن ہو عیسائی کرنے پر آمادہ ہیں اور نہ جائے تعجب ہے
کہ ایک ہی ملک میں عیسوی اور اسلامی رقابت کے جذبہ نے
ہندوستان میں وہ جذبہ اسلام کے پھر زندہ ہونیکا پتھر کا یا ہے
جس کے اون تمام ملکوں میں جا گنے کی شہرت ہے جہاں کہ مذہب
اسلام جاری ہے یہاں تک کہ اون ملکوں میں بھی جہاں کہ دین
اسلام سلطانی مذہب ہے اور گورنمنٹ کی مدد کو بلا حجت تمام و کمال
حاصل ہے۔ مزید برآں ان دو بڑے رقیب مذہبوں نے ہندوستان کو
صرف مشترک میدان اشاعت مذہب ہی نہیں پایا بلکہ مذہبی مباحثہ
کے لیے مشترک الجھاڑہ اور تماشائی اور سامعین بھی پائے آج تک

دونوں طرف کے مصنفوں نے بحث میں کبھی صحیح تصحیح قائم نہیں
 کی تھی نہ اوسے بنیا دہر ایک دوسرے کا مقابلہ کیا تھا عیسائیوں
 نے بفر اخت اسلام کے دعوؤں کو عیسائیوں کے سامنے ہل
 کیا تھا مسلمانوں نے عیسائیوں کی تردید صرف مسلمانوں کے
 ہی روبرو کی تھی۔ دونوں مقابل کے لشکر اختلاف زبان اور اپنے
 اصدیقات کے درمیان میں فاصلہ دراز کی وجہ سے جدا تھے۔
 لیکن اب ہندوستان میں انگریز عربی میں داخل ہو گئے ہیں اور
 ہندوستان کے مسلمان انگریزی کتابیں پڑھتے ہیں سرولیم
 نے حضرت محمد کی سوانح عمری تحریر کی ہے جن شرعی کتابوں پر
 اسلام کی روایتی شہادت مبنی ہے اور انکی نکتہ چینی کے ساتھ تحقیقات
 کی ہے اور انہوں نے سید احمد خان بہادر کو فوراً اپنا تردید
 کرنیوالا پایا جو ممالک مغربی و شمالی کی گورنمنٹ کے ایک مشہور افسر
 ہیں جسکے حال میں سرولیم میور صاحب لفٹنٹ گورنر کی حیثیت سے
 صدر نشین تھے۔ اگرچہ سید احمد خود اس زمانہ میں پیدا نہیں ہوئے
 جبکہ وہ علم انگریزی اس درجہ تک تحصیل کر سکتے کہ انگریزی معترضوں کا
 جواب انگریزی زبان میں تحریر کر سکتے لیکن عربی میں سید صاحب
 کیف آف محمدؐ کے لائق مصنف کے ہم پلہ ہیں جنکا علیحدہ ایشیائی

میدان میں خود اونیہ کے ہتھیار سے مقابلہ کرتے ہیں یہ صاف
 نے کو تا ہی نہیں کی۔ بعض قصبات اور گالی گالچ کے
 اب خاص علمی بحث اور فاضلہ اشرف کا آغاز پاتے ہیں۔ جو اس
 عیسائی تذکرہ نگار نے حضرت محمد کی نسبت ظاہر کی ہے اس سے
 سبب ممول سید احمد نے بہت اختلاف کیا ہے۔ یہ کہ دلپہر ولیم
 میور کی کتاب پڑھ کر یہ اثر ہوا کہ اونہوں نے یہ اراد کیا کہ حضرت محمد
 کی سوانح عمری کے متعلق تمام روایتیں جنکو مسلمان علماء مستند
 خیال کرتے ہیں اونکی اتمریطانہ تحقیقات کے بعد ایک مسلسل اور با اثر
 صورت میں جمع کیا وین۔ اس تجویز کی تکمیل میں چند ذہیندہ اسباب
 سدراہ ہوئے لیکن اونہوں نے ناظرین کو بارہ مضامین نذر
 کیے ہیں جنہر اوں کے تذکرہ حضرت محمد کی پہلی جلد مشتمل ہے ہماری
 رائے میں اصل غرض اس کتاب سے سر ولیم کی چند رایوں اور
 نتیجوں کی اصلاح اور تردید ہے۔ شاید یہ بات خلاف احتیاط ہو
 ہے کہ اس لائق مسلمان مصنف نے عیسائیوں کی انجیل کے یونانی
 ترجموں کے معنی کے بارہ میں اپنے نکتہ چین مضمون کے لیے مصاحف
 جمع کرنے میں دو ہزاروں کے علم اور ترجمہ پر اعتبار کیا مثلاً وہاں
 جہاں کہ سید صاحب اصرار کرتے ہیں کہ انجیل کی اس آیت میں

”مناسب ہے کہ میں جاؤں کیونکہ اگر میں بنجاؤنگار راحت بخش نہ آویگا“
لفظ پیر کلٹیس (Pir Clites) غلط نسخے سے بجائے پر کلٹس
(Pir Clites) کے جسکے معنی ہیں مشہور یعنی احمد یعنی محمد۔
اس سے پتا چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے خود پیشین گوئی کی
کہ میری رسالت کا ضروری جانشین اور تکمیل کرنے والا حضرت محمد
ہے۔ یہ طریقہ لفظی مباحثہ کا جسکے موافق ایک بڑے بہاری الہام
ادینا کے مشہور قوموں میں تسلیم یا متروک کرنا ایک کاتب کے سہو یا
ایک راہب کی جعل سازی پر منحصر کیا جاتا ہے یورپین مباحثہ مذہبی
کسی قدر ناپسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔ یہ کموند ہی طوفانات کے
مسائل کے لئے زیادہ تر وسیع بنیاد کی ضرورت ہے لیکن سید احمد
زیادہ تر کامیاب ہوئے ہیں جب اونہوں نے اپنی اس کوشش
سے درگزر کیا کہ حضرت محمد کی رسالت عیسائی مقدس کتابوں سے
ثابت ہوتی ہے اور اوروں پر اون کلیہ قاعدوں اور حکمیانہ خیالوں کو
بطور جواب کے استعمال کیا جو شرع محمدی کے خلاف شک ڈالنے
کے واسطے استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً سید احمد نے مفضلہ ذیل فقرے
”لیف آف محمد“ سے منتخب کیے ہیں۔ ”شرع نامانے کے مسلمانوں
کی عادات روایت وحدانیت کی ترقی و نمو کے موافق نہیں“ اپنے

پیغمبر کے افعال اور اقوال سے زیادہ اور کسبِ مضمون پر اوائل زمانہ کے مسلمان جوش سے تقریر کرتے "ہاں کے (حضرت محمد کے) پیروں علم اوں کی نسبت خیال کرنے لگے کہ اعجازی قوت سے ممتاز ہیں۔ اور یہی مادہ تما جس سے روایتوں کو نشو و نما حاصل ہوئی"۔ قصور کی بے روک ٹوک کوشش نے حفاظہ کو مدد دی۔ "عرصہ دراز کے قدرتی طور پر یہ نتیجہ ہو گیا ہو گا کہ ان روایتوں کو لوگ باطل پرستی کی نظر سے دیکھنے لگے ہونگے۔" ان عبارتوں کی نقل کرنے کے بعد سید صاحب کبیر قدس سرہ کے ساتھ دریافت کرتے ہیں کہ کیوں موسیٰ کے معجزوں اور اُوراون انبیاء کے عجیب و غریب حالات کو جنکو عیسائی مانتے ہیں غیر متعصب اور فراخ دل حکیمانہ خیالات کے ذریعے نہ دیکھا جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سید صاحب کا دعویٰ ہے کہ حضرت محمد کے لئے وہی توجہ اور موقب لحاظ ہونا چاہئے جو تمام گرجموشش پارسا آدمی اور لوگوں کے افعال اور اقوال کے تذکرات کا کرتے ہیں جنکو وہ خدا کا رسول خیال کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ تو سید صاحب کی یہ خواہش ہے کہ معجزوں کی تاریخ کا ایک ہی اجزاء اور اعضا شکن تحقیقات کے ساتھ امتحان کیا جاوے۔ لیکن میں اس جملہ معترضہ سے گریز کر کے اپنے مضمون اور اصلی

طلب کیا، ان آتما ہون میں بنے رواروی میں اون تاریخی حالتوں
 اور ہندوستان میں ہماری حالت کے نتیجہ کا بیان کیا، انکی وہ
 سے پیری دس، میں یہ امر لایا ہے کہ ایک گروہ عظیم مسلمانوں کا
 انگریزی گورنمنٹ سے ناراض ہو۔ ان تمام باتوں کو میں ان انصاف
 میں تو لکے میں یقین کرتا ہوں کہ یہ کہنا قریب قریب راستی کے
 زیادہ تر نزدیک ہوگا کہ مسلمانوں کا ناہمجہ اور غیر تعلیم یافتہ گروہ ہمارے
 مخالف ہے بمقابلہ اسکے کہ ان کے عمائد ہماری طرف نہیں ہیں جیسا
 ڈاکٹر ہنٹر کا کینہ آمیز بیان ہے مصنف مذکور نے اس بات پر بہت
 زور دیا ہے کہ بنگال میں مسائل و تباہی پھیل گئے ہیں جہاں کی مسلمان
 رعایا بمقابلہ اور مسلمانوں کے مردہ دل اور خیر جنگجو ہے۔ سید احمد
 بیٹیون میں جو شہداء کے اخبار پانیر میں شائع ہوئے اس بات سے
 ہی انکار کرتے ہیں کہ وہابی ہی انگریزوں کی ماتحتی میں اپنی حالت کو
 ایسا خیال کرتے ہیں کہ سپہیں جہاد جائز ہے۔ وہ ذکر کرتے ہیں کہ
 جب ۱۸۵۷ء میں باغیوں نے دہلی کو لے لیا اور ان کے کمان افسر
 بخت خان نے اس شہر کے مولویوں کو انگریزوں کے مقابل
 جہاد کے جواز کا فتویٰ دینے پر مجبور کرنے کی کوشش کی تو وہ
 سب گروہ دہلیوں نے اس سے سخت اختلاف ظاہر کیا۔ اگر ان

دونوں مشہور مولویوں نے خود ایسے وقت میں جہاد کے جواز کی
 کوشش کو روکا تو یہ مثال نہایت قوی ہے لیکن اگر واقعات یہ تھے
 کہ بخت خان جو ایک مشہور باغی تھا ان مولویوں کے دستخط فتویٰ پر
 اس وقت کرنا چاہتا تھا جبکہ انگریز شہر پر گولہ اندازی کر رہے تھے
 تو یہ ممکن ہے کہ انہوں نے انگریزی توپخانے کو شہ کے قریب آتے
 دیکھ کر قرآن شریف کی اس آیت کو یاد کیا ہو جسکو ہم پہلے نقل کر چکے
 ہیں یعنی یہ کہ مومنین پر یہ فرض نہیں ہے کہ اپنی ہلاکت پر بلا سوچے
 سمجھے مستعد ہو جائیں۔ لیکن وہابیوں کے واقعی اعتقادات خواہ
 کچھ ہوں بلا شک ان کے پیرو ہندوستان میں بہت کم ہیں اور ان
 صوبوں کے مسلمانوں کے اور فرقے ان کو نہایت ناپسند کرتے ہیں
 جہاں کے مسلمانوں کی خیر خواہی نسبت بنگال خاص کے ہماری گورنمنٹ
 کے استحکام کے لئے زیادہ ضروری ہے۔ ہندوستان کے اکثر
 حصوں میں کسی وہابی مولوی کا آگاہی تنازع کی علامت ہوتا ہے۔
 مذہبی عناد فوراً پیدا ہو جاتا ہے۔ چند سال ہوئے کہ نظام نے وہابیوں
 حیدرآباد سے اسوجہ سے نکال دیا کہ انہوں نے اس بڑے
 مسلمانی شہر میں بے انتہا فساد برپا کر دیا تھا کیونکہ وہاں کسی مذہبی
 میں بغیر ڈال تلوار لئے جاتا محفوظ تھا۔ حال میں ایک وہابی مولوی

برائے صوبہ میں جو ملک حیدر آباد میں ہے آیا۔ وہ سچا رفاہی تھا اور جن خرابیوں کی وہ بھوکرتا تھا وہ مذہبی تہیں لیکن چند مفتوں میں اس نے مذہبی مسائل اور امور دینی کے انتظام پر بحث کر کے مولویان ضلع سے تنازع پیدا کیا اور وہ تمام ریاکار اور ظاہر دار جو بوجہ زیارت گاہوں کے پرستش اور چڑھاؤں کی آمدنی کے متمتع ہوتے تھے اس کے منحرف ہو گئے۔ تمام فریقوں نے اس پر الزام لگایا کہ وہ گورنمنٹ ملکہ معظمہ کے خلاف بغاوت کی باتیں کرتا ہے مگر انگریزی افسر اپنے فرائض کو فراخ دلی سے سوچ سمجھ کر صرف مذہبی جھگڑے میں ہی پڑنے سے باز رہے بلکہ انہوں نے انتظام اور امن رکھنے کی فکر کی اور اس وہابی کو خاص محافظت پولیس میں رکھ دیا۔ اس طور پر میں نے اپنی رائے کے موافق ان اسباب کے بیان کرنے کی کوشش کی ہے جنکی وجہ سے مسلمانوں کو ہمارے ساتھ ناراضگی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ اسباب بیشتر ہندوستان میں ہماری سلطنت قائم ہونے کے ساتھ ہی ظہور میں آئے اور اسکے ساتھ لازم ملزوم ہیں لیکن ڈاکٹر ہنٹر اور کرنل لیس نے خاص شکایتوں کی بوجہ کر دی ہے۔ اسکی تحقیقات ضرور ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر نے باخصیص ایک باب کا باب مسلمانوں کی شکایتوں سے بھرا ہے جو شکایتیں ڈاکٹر صاحب کی

راسے میں ایسی فاش غلطیوں کی وجہ سے زلمور میں آئیں گے۔
 رعایا جسے اطاعت کا رشتہ قطع کرے نور واپس بہت سی بڑی
 بڑی باتوں اور حسا بونہر چہر اپنی کتاب کے اس حصہ میں ڈاکٹر ہنٹر
 نے اصرار کیا ہے لوگوں نے سخت اعتراض کیا ہے۔ اور میں یہ نہیں
 کہہ سکتا کہ یہ اعتراضات کامیابی کے ساتھ ہوئے یا نہیں لیکن ان
 جزویات کی نسبت بحث سے قطع نظر کر کے میں اون بڑے الزاموں
 کی تحقیقات کرنا چاہتا ہوں جو ڈاکٹر ہنٹر اور کرنل لیس نے ہندوستان
 کے نظم و نسق پر کیے ہیں۔ کرنل لیس اور ڈاکٹر ہنٹر نے نہایت
 سنگین اور وسیع الاثر نتائج اوس تعلیمی حکمت عملی سے نکالے ہیں
 جسکا آغاز لارڈ مکالی نے جو اس وقت ہندوستان میں عہدہ
 سرکاری پر مامور تھے اپنے مشورہ کے مشورہ منٹ میں کیا۔ سوال
 یہ تھا کہ عطیہ سرکار اعلیٰ درجہ کی تعلیم پر کیونکر صرف کیا جاوے؟ کیا تعلیم
 رعایا جسکی اعانت سرکاری روپیہ سے ہوتی ہے انگریزی یا ایشیائی
 ہونی چاہیے؟ آیا گورنمنٹ پر مشرقی یا مغربی زبانوں اور علوم و فلسفہ
 کو ترقی دینا فرض ہے؟ سکالی تمام و کمال مغربی علوم کا جانبدار
 تھا اوسنے ایشیائی علوم کے خلاف رنگین اور پر جوش تقریریں کیں
 عام مخالفت کو پست کر دیا اوسنے کہا کہ یورپ کے کتب خانے

ایک مارن کا خانہ قیمت میں ہندوستان اور عرب کی کل کتابوں
 سے برابر ہے اور یہ بات زبانین کہ سرکاری و پیم ہندوستانی
 نوجوانوں نے اُن کتابوں کے پڑھنے پر ضائع کیا جاوے جنہیں تام
 دنیا کے جھوٹ اور لغویات سمجھ سکیں اور سوانح عادت کے اس قسم
 کی متضاد عبارت آرائی سے اوسنے اوس گردہ کے واسطے قمع حاصل
 کی جو انگریزی علوم کے جاندار تھے القویل کرنل لیس کے (اوس روز
 سے زبان انگریزی ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم کا ذریعہ قرار دی گئی
 اور جو مضامین اوس زبان میں سکھائے جاتے ہیں وہ بالکل یورپین
 ہیں۔ کرنل لیس کی رائے میں اس تبدیلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ تمام
 ملکی عہدے مسلمانوں سے نکلا رہندوؤں کے لئے۔ یہ کلیہ منقولہ ایک
 نظیر ہے اوس مبالغہ آمیز فساد و بلاغت کی جسکی نسبت اس مضمون کے
 ایک اور حصہ میں شکایت لگائی ہے۔ یہی یہ کہ بڑے واقعات کا ایک
 خاص اور محدود قسم کی چھوٹی وجوہات کو سبب قرار دینا اور بلاشبہ ذرا
 سے اسباب اور وسیع نتائج میں صرف اختلاف ہی سے غیر محتاط ناظرین
 کے دلوں پر عجیب اثر پیدا ہوتا ہے۔ کرنل لیس صاحبِ تعظیم
 ہے لیکن ادب کے ساتھ میں طریقہ اخذ نتیجہ اور نیز اوس واقعہ پر جو نتیجہ
 اخذ کیا گیا ہے اعتراض کرتا ہوں۔ مگر اس سے اتفاق ہو سکتا ہے

کہ جس طور سے تبدیلی طریقہ تعلیم کا برآمد ہوا وہ خرافات مصلحت تھا
 لیکن اوسکے وجہ اوسی قسم کے تھے جنکو لارڈ مکالی نے باوجود اپنے
 تمام ذکاوت کے ہمیشہ نہ معلوم کیا سمجھا۔ کیونکہ پولیٹیکل نازک فرماؤ
 کی زیادہ اندرونی اور نازک رگ وریشوں سے پوری ہمدردی کرنے
 میں وہ قاصر تھا۔ اوسکے نزدیک تمام مشرقی علم ادب قریب قریب
 بالکل بے مصرف تھا اور اوسکے واسطے اتنی بات بس کافی تھی۔ اوسکے
 نزدیک یہ باتیں ہی نہایت احتیاط سے قابل غور نہ تھیں کہ ہندوستان
 کے لوگوں میں اپنی قدیم کتب کے ساتھ محبت آمیز میلان طبیعت ہے
 اور اونکی تمام سام تعلیم میں غیر زبان اور غیر کتب کے رواج کی مخالفت کا
 تعصب موجود ہے۔ ملکی معاملات پر اس نامور مصنف کا انداز کسی قدر
 ہشکل معاملہ میں ایک اور مرتبہ بخوبی ظاہر ہوا تھا جبکہ یہ تجویز ہوئی تھی کہ
 چند بیش قیمت آئرلینڈ کے قلمی نسخے برٹش عجائب خانہ کے واسطے خرید
 کیے جاویں۔ لارڈ مکالی نے کہا (مسٹر ایم آر نولڈ فرماتے ہیں) کہ میری
 رائے میں سارے مجموعہ میں کوئی کتاب خریدنے کے قابل نہیں ہے
 بجز جنگ امریکہ کے متعلق لارڈ میلول کے مراسلات کے۔ جب اوس
 قدیم کلک کتب کو محض ردی سمجھا تو یہ بات اغلب انتہی کہ وہ سنسکرت
 یا عربی کی کتابوں کی قدر کرتا کیونکہ وہ قدیم حالات و واقعات کی تحقیقات

کے سچا طے ہی یقینی نہیں ہیں۔ بس اوسنے اوسوقت کی گورنمنٹ کو
 یونیورسٹی کی تعلیم سے مشرقی علوم کے خارج کرنے پر آمادہ کیا اور
 اس بات میں اوسنے مناسب حد سے تجاوز کیا۔ زیادہ دانشمندی
 کی بات ہوتی (جیسا کہ کرنل لیس نے اب تجویز کیا ہے) کہ مسلمانوں کو
 مشرقی علوم میں ڈگری لینے کی اجازت دیجاتی اور ان کے نوجوانوں
 کی مذہبی تعلیم کے واسطے گورنمنٹ اپنی امداد جاری رکھتی جو ان کے
 مذہب اور رسم کے موافق پسندیدہ طریقہ میں دیجاتی۔ ہنوز ہماری
 ہندوستان میں اس قدر مستحکم نہیں ہوئی ہے کہ ہم سچے علوم اور غیر قومی
 تعلیم کی اشاعت کے ذمہ دار ہوں جبکہ یہ باتیں دون عظیم گروہوں کے
 خلاف طبیعت ہیں جن کے تعصبات نہایت نازک ہیں۔ ابھی ہم اوان اصول
 کی اشاعت کی خاطر پولیٹیکل ہتھان کو گوارا نہیں کر سکتے۔ اگر مسلمان
 اپنی کتب کو اب تک ترجیح دیتے ہیں تو ہم کو ان کی مخالفت اس طور سے
 ٹھکرانی چاہیے کہ ان کو ناگوار گذرے بلکہ ابھی ان کو اپنے ہی راستہ پر
 چلنے دینا چاہیے۔ یہ ان کو سمجھا دینا چاہیے کہ ابتدائی مدارس میں انگریز
 نہیں ہے اور ساری شکایت اوس طریقہ کی نسبت ہے جس سے
 پریزنٹ سسٹم کی یونیورسٹیوں کے سلسلہ تعلیم سے مشرقی علوم خارج
 کر دیئے گئے۔ اس سبب سے اس اسلامیہ کالج یونیورسٹی میں داخل

نہیں ہو سکتے اور دوسرے یہ کہ ہو چکی کے مدرسہ اسلام آباد۔
 بجائے ایشیائی علوم کے انگریزی علوم کی تعلیم میں صرف کیا گیا۔
 یہ پوری پوری اصلاحات یہ اختراعات جو چاکر کی گئیں نہایت ہی
 قبل از وقت تھیں۔ ہم ایک تہیہ جماعت کو جو کسی قدر تعلیم یافتہ بھی ہے
 حائل ترقی کے اوس درجہ پرچھات سے نہیں پہنچا سکتے جو یورپ
 کی قوموں نے عرصہ دراز میں حاصل کی ہے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ
 تعلیم کی نسبت ایسی شکایتیں اب قریب قریب رفع ہی ہو چکی ہیں۔
 برعکس اس کے محکوم اپنی اس رکاوٹ کا اظہار کرنا ضرور ہے کہ ان

سریع نتائج میں مبالغہ کیا گیا ہے جو ہماری تعلیمی تبدیلیوں سے ظہور پذیر
 ہوئی ہیں۔ اور گوان باتوں نے بنگال کے مسلمان طالب علموں کو
 کسی قدر ناراض اور افسردہ کیا ہو لیکن کل ہندوستان کے
 مسلمانوں کے عام جذباتوں اور حالت سے ان کو بہت کم بلکہ کچھ
 نہیں ہے۔ مزید برآں گو یہ یقینی امر بھی ہو کہ تمام ملک میں انگریزی تعلیم
 کی صاف صاف اشاعت سے گورنمنٹ شاید مسلمانوں کے تعصبات
 اور اغراض کو ضرر پہنچا دے خصوصاً انگریزی تعلیم کی اشاعت میں
 تعجیل کی وجہ سے تاہم اگر ہلکے مطلقاً ترقی کرنی ہے تو تحریک اسی
 سمت ہوگی اور تمام سچی ذہانت اور اعلیٰ علمی لیاقت مسلمانوں کی تدریج

اوہر آجا ویگی گو کہ ہندوؤں نے اس کے حاصل کرنے میں پیش قدمی
 کی ہے۔ لہذا ان کا رجحان طبیعت پسندی رہنے کی طرف ہو
 اور اپنی قدیم کتب کی بجائے جدید لٹریچر کے اشاعت سے وہ
 بہت غیر مطمئن ہوں لیکن یہ یقینی امر تھا کہ یہ مشکلات اور مخالف اثر
 ہمارے سد راہ ہونگے۔ یہ دقیق بننے اپنے طور احتراع نہیں کیں
 نہ انتظامی خرابی سے پیدا ہوئیں گو کسی قدر بد نظمی سے اس مسئلہ
 زیادہ پیچیدگی بڑھ گئی ہو بہر نوج ہم اب سکوت اختیار کر نہیں سکتے یعنی
 اس روشنی اور ہوا کو بند نہیں کر سکتے جو مغرب کی کھڑکیوں کے
 کھولنے سے ہندوستان میں داخل ہوئی ہے صرف اس وجہ سے
 کہ شروع شروع میں سلامت روسلمانوں کو یہ ہوا چکر میں ڈال رہے
 یا روشنی چکاچوند کر دے۔ کیونکہ ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مغربی علوم
 کی اشاعت پر مسلمانوں کو اس قدر اعتراض نہیں ہے جس قدر کہ اس
 اشاعت کے اس لازمی نتیجہ پر کہ ہمارے زیر حکومت حکاموں کی
 ترقی اور معزز پیشوئیں افزائش منزلت کا وسیع اور کشادہ راستہ
 مغربی تعلیم ہے اور تمام آئینوالوں کے واسطے یہ راہ کھلی ہے۔
 اہل وجہ سے قدیم علوم اور مسلمان فیضیلت کی مخصوص رعایتیں
 کم و بیش منسوخ ہو گئیں۔ اس امر کا دریافت کرنا نہایت مشکل ہے

مسلمانوں کے بڑے بڑے شہر وغینہ مثل دہلی اور ٹیٹنہ کے یہ تجویز
 کیا گیا ہو اگرچہ بعض لوگ وہاں بھی اون عدالتوں کو ترجیح دینگے
 جو بالکل بے تعصب اور بے لگاؤ ہیں خصوصاً مقدمات اپیل میں اور
 اس جداگانہ اختیار سماعت کا یہ نتیجہ ہو گا کہ ہندوستان کی نوخیز
 نسلو غین مسلمانوں کی علحدگی کو ترقی ہو گی۔ مگر ہندوستان کے تمام
 وسیع صوبوں میں مسلمان متفرق طور پر آباد ہیں اور بہت سے بڑے
 اضلاع میں لائق بھون کے دستیاب ہونے میں بہت حیرانی ہو گی۔
 اگر مسلمانوں کی واقعی یہ خواہش ہے (جیسے کہ ان کے حامی کی
 خواہش ہے) کہ ہندوستان کی ہمارے سلطنت میں اپنا وہ اصلی درجہ قائم
 رکھیں جسکے وہ لوگ اپنے اوصاف حمیدہ اور مستقل مزاجی اور اعلیٰ درجہ
 کی جسمانی جرات کی وجہ سے قدرتی طور پر مستحق ہیں تو آجکل ان کو علم ادب
 اور علوم کے قبول کرنے کے واسطے اور اون اقوام کے جلسہ میں شرکت
 کے لئے حزم کرنا چاہیے جو تمام دنیا پر حکومت اور رہنمائی کرتے ہیں
 اور تمام مسلمانوں کو آسانی بلکہ ادراہی دینی چاہیے جو اپنی اپنی
 قدیم تصانیف کے شائق ہیں اور اس قسم کی تعلیم کے خواہاں ہیں
 جو عربی دینیات اور فلسفہ کی کتب سے حاصل ہوتی ہے۔ حسب تجویز
 کرنل لیس کے تمام ہندوستانیوں کو اجازت دیا دے کہ اپنی

مرضی کے موافق مشرق یا مغرب کی لٹریچر میں دُری حاصل نہ ہوا
 ہمارے ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں ایک مشرقی اور ایک
 فیکلٹی آف آرٹس قائم کی جاوے تاکہ ہر شخص اپنے میلان بلویوں کے
 موافق اور اپنے پسند خاطر پیروی کر سکے۔ لیکن ان چیز ہم یہ یاد رکھیں
 ہیں کہ ہم اپنی ہندوستانی رعایا کے لیے خلیفہ کے دونوں طریقے
 روار کتنا فرض ہے اور ہم پرانی راہ کو صرف اس وجہ سے مسدود نہ
 کر سکتے کہ وہ ہماری راست میں گمراہ کرتی ہے تاہم یہ ذمہ داری
 ہی نہیں کر سکتے کہ تعلیم و تربیت کے دونوں شعبوں سے یکساں نتائج برآں
 ہوں لوگوں کے لیے جو ایشیائی تعلیم کو پسند کرتے ہیں ہم یہ اقرار نہیں
 کر سکتے کہ وہ زندگی کی شامراہوں میں جو نفع اور عزت کی طرف رجحانی
 ہیں اور آدمیوں کی برابری کر سکیں گے جنہوں نے ان علوم کے حاصل
 کرنے میں جانفشانی کی ہے جو آجکل بڑی قوت ہے بلکہ علمی خزانہ
 کی وجہ سے "یورپ کے پچاس برس میں کے ایک قرن سے بڑا۔
 ہیں" جو علوم کہ پر امن سلطنت کے اسی طور پر زور و قوت ہیں جیسے
 جنگ کی قوت روپیہ ہے یہ غیر ممکن ہے کہ آج کل کے زمانہ میں جو
 لوگ ہندوستان میں اپنے تین چہرے کیلئے وہ پسندی نہ جوائیں
 ایسے ہمواسین کلام ہے کہ مسلمانوں کو ان کی خاص کتب کی تعلیم کی

فی سہ تیکن ہوگی کیونکہ اونکی اصلی شکایت یہ ہے کہ اب اونکے
مقوم کی تعلیم پرانی وضع کی ہوگئی اور یہ کہ مسلمانوں کو اپنی سرپرست اور
الہیات میں دسگاہ جاہل کرنے سے عزت اور اصلی عہدے اب جاہل
نہیں ہوتے۔ صحیح اور واجب شکایت ہے لیکن اسکی چارہ سازی
ہم ہونکر کر سکتے ہیں بجز اسکے کہ صبر اور فائیت درجہ کا لحاظ کیا جائے۔
نہ یہ ممکن ہے کہ اول آئادہ (المبرل) مسلمانوں کی درخواست منظور کیا جائے
جو اپنے فہم و فراست کی وجہ سے یورپ میں تعلیم کے بے انتہا فوائد کی
بجوبی قدر کر سکتے ہیں لیکن اونکی حب الوطنی اسقدر زیادہ ہے کہ وہ
اپنے ملک کی زبان اور اپنے ملت کی تہذیبات کو ترک کرنے میں پس
پیش کرتے ہیں۔ یہ شریف لوگ جنہیں سید احمد خان صاحب سربراہ
ہیں یہ بحث کرتے ہیں کہ مغربی علوم کا تمام خزانہ انگریزی زبان میں
نہ رکنا چاہیے بلکہ ہمارے گورنمنٹ کو مناسب ہے کہ ویسی زبانوں کے
ذریعہ سے اس گنج قارون تک ہندوستانوں کے پہنچ جائیکے لئے
کوئی تدبیر نکالے تاکہ دیسیوں کو یہ ضرورت نہ ہے کہ وہ ایک غیر زبان
سیکھنے میں برسوں محنت کریں قبل اسکے کہ وہ حکیمانہ خیالات اور علمی تجربا
ت کے بالاتر کردہ میں بلند پروازی کر سکیں۔ بلاشبہ ایک غیر زبان پر اول کافی
قدرت حاصل کرنا ایک سخت مشکل ہے لیکن اس وقت کے رفع کرینکی

ہم بمشکل سہی کر سکتے ہیں کیونکہ اپنے ہندوستان کی رعایا کے فائدہ
 کے واسطے یورپین علم ادب کے ترجمہ کرنے کی ذمہ داری ہم نہیں کر سکتے
 کیونکہ تعلیم یافتہ ہندوستانی مختصر خلاصوں اور غیر کامل ترجموں پر
 خندہ زنی کریں گے سید احمد خان صاحب کے صاحبزادے نے ولایت
 کی یونیورسٹی میں تعلیم پائی ہے اور بس پیشہ یا خدمت میں جانیں
 اول درجہ کے حاصل کرنے کی قابلیت پیدا کی ہے جو ہندوستان
 میں واپس اگر پسند کریں۔ علمی و فاضلین وہ نوجوان اس کے واسطے
 کیونکہ ٹھہر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی انگریزی نہیں سیکھی یا جنہوں نے
 ہندوستانی ترجموں کے ذریعہ سے یورپین علم ادب کو پڑھا ہے۔
 ممکن ہے کہ مشرق کے وہ پیشرو جنہوں نے مغرب کے اس علمی خزانہ کو
 ڈھونڈا اور ادھر قبضہ کیا بحیثیت مترجمین اور پڑھار عین کے دیسی زبانوں
 کی اس شرک کے بنانے میں کوشش کریں جس کے ذریعہ سے اس
 وہ جو وطن اور انکی بہ نسبت کم ہمت اور کم دو تہند ہیں انکی پیروی کریں
 لیکن جسے مجبور ہو کر اس کام کو ہندوستانیوں کی ہر روی اور جفاکشی
 چھوڑ دیا ہے۔ انگریزی گورنمنٹ نے تمام ہندوستانیوں کے لئے انکی
 دیسی زبانوں میں ابتدائی تعلیم کا عمدہ طریقہ جاری کیا ہے اور سرکاری
 انسپیکٹر اچھا کرتے ہیں اگر اس قوی احتمال پر (اگرچہ وہ درجہ یقین پر ہو)

۴
 ہندوستان
 کی تعلیم
 کے واسطے
 یورپین
 علم ادب
 کے ترجمہ
 کرنے کی
 ذمہ داری
 ہم نہیں
 کر سکتے
 کیونکہ
 تعلیم
 یافتہ
 ہندوستانی
 مختصر
 خلاصوں
 اور غیر
 کامل
 ترجموں
 پر
 خندہ
 زنی
 کریں
 گے
 سید
 احمد
 خان
 صاحب
 کے
 صاحبزادے
 نے
 ولایت
 کی
 یونیورسٹی
 میں
 تعلیم
 پائی
 ہے
 اور
 بس
 پیشہ
 یا
 خدمت
 میں
 جانیں
 اول
 درجہ
 کے
 حاصل
 کرنے
 کی
 قابلیت
 پیدا
 کی
 ہے
 جو
 ہندوستان
 میں
 واپس
 اگر
 پسند
 کریں۔
 علمی
 و
 فاضلین
 وہ
 نوجوان
 اس
 کے
 واسطے
 کیونکہ
 ٹھہر
 سکتے
 ہیں
 جنہوں
 نے
 کبھی
 انگریزی
 نہیں
 سیکھی
 یا
 جنہوں
 نے
 ہندوستانی
 ترجموں
 کے
 ذریعہ
 سے
 یورپین
 علم
 ادب
 کو
 پڑھا
 ہے۔
 ممکن
 ہے
 کہ
 مشرق
 کے
 وہ
 پیشرو
 جنہوں
 نے
 مغرب
 کے
 اس
 علمی
 خزانہ
 کو
 ڈھونڈا
 اور
 ادھر
 قبضہ
 کیا
 بحیثیت
 مترجمین
 اور
 پڑھار
 عین
 کے
 دیسی
 زبانوں
 کی
 اس
 شرک
 کے
 بنانے
 میں
 کوشش
 کریں
 جس
 کے
 ذریعہ
 سے
 اس
 وہ
 جو
 وطن
 اور
 انکی
 بہ
 نسبت
 کم
 ہمت
 اور
 کم
 دو
 تہند
 ہیں
 انکی
 پیروی
 کریں
 لیکن
 جسے
 مجبور
 ہو
 کر
 اس
 کام
 کو
 ہندوستانیوں
 کی
 ہر
 روی
 اور
 جفاکشی
 چھوڑ
 دیا
 ہے۔
 انگریزی
 گورنمنٹ
 نے
 تمام
 ہندوستانیوں
 کے
 لئے
 انکی
 دیسی
 زبانوں
 میں
 ابتدائی
 تعلیم
 کا
 عمدہ
 طریقہ
 جاری
 کیا
 ہے
 اور
 سرکاری
 انسپیکٹر
 اچھا
 کرتے
 ہیں
 اگر
 اس
 قوی
 احتمال
 پر
 (اگرچہ
 وہ
 درجہ
 یقین
 پر
 ہو)

کا خاکہ کرتے کہ تمام ویسی مدارس میں جو سب نیم مذہبی ہو تے ہیں کسی
 نہ کسی نے اپنی مذہبی تعلیم ہی سے اکر ترقی ہے۔ ہندو اور مسلمانوں کے مدارس
 علیٰ انہوم جدا ہیں۔ اسکی کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے لڑکے صرف
 اسلامی تعلیم کیوں نہ پناویں۔ سرکار اب بھی اس قسم کی ابتدائی تعلیم کی
 اراد کرنے پر آمادہ ہے بشرطیکہ دنیاوی علوم کی عمدہ ابتدائی تعلیم
 اصول کے ساتھ ہو۔ لیکن آزادانہ تجارت کے اصول پر تعلیم کے اعلیٰ درجہ
 کے مضامینوں میں ہم اس بات سے باز نہیں رہ سکتے کہ ہم انگریزی
 علوم میں استعداد ہم پہنچانے کی طرف زیادہ مائل کریں کیونکہ گویہ
 بلاشبہ غیر ملک کا مال ہے لیکن عمدہ ایسا ہے کہ اس ملک کے مال
 سے اور اس سے کچھ نسبت ہی نہیں تعلیمی عطیوں کو مشرقی اور مغربی
 علوم میں بلا طرداری اور برا بھلا تقسیم کرنے سے ہم قدرتی شکایتوں کو
 رفع اور تعصب کو دور کر سکتے ہیں اور ڈاکٹر ہنٹر کی عمدہ صلاح کے
 موافق علم کے اون دونوں شاخوں کے ملائے کی کوشش کریں لیکن آخری
 نتیجہ کو ایشیا کی نہایت ہوشیار قوموں کی فراست اور علمی مذاق پر چھوڑ
 خلاصہ صحت نہیں ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ علم اور ہنر کی اشت
 خلفہ مندی کا نتیجہ ہے اور گوشل اور جنگ آزمایا قوموں کے مسلمانوں
 نے اپنی تہذیب مفتوح قوموں سے حاصل کی ہے تاہم اونکو ایکبار تو

یہ سب باتیں مذہبی تعلیم کے خلاف ہیں

ایسی قوم سے روشنی اور دامنِ برہمیری قبول کرنے پر راضی ہونا چاہئے جس کو علم اور ہتھیار دونوں باتوں میں یورپین تعلیم کی فوقیت حاصل ہے۔ ان دوسرے مختلف الزاموں کی با تفصیل تحقیقات بہت وقت صرف ہوگا جو انگریزی گورنمنٹ پر لگائے جاتے ہیں اور جو مسلمانوں ہمارے عام پسند نمونے کے واجب اور کافی وجوہات اور مصنفوں کی رائے میں خیال۔ کہتے جاتے ہیں جو ان الزاموں کو ہمارے انتظامی عیوب سے صریح منسوب کرتے ہیں۔ ان فرد الزاموں کی عبارت نہایت سخت ہے مثلاً ”مذہبی اوقاف کی بالحد خیانت“ ہندوستان کی عیسائی گورنمنٹ پر ایک سنگین الزام ہے اور اسکو ڈاکٹر منٹرو نے ثابت نہیں کیا ہے۔ اس الزام کی بابت صرف اس قدر بات ثابت ہو سکتی ہے کہ بعض اوقات وقف ناموں کی تحقیقات میں ہم نے غیر مناسبتی کی ہے اور ایک موقع پر ہم نے معطلی سے گو کہ نیک نیتی سے انگریزی طریقہ تعلیم کے لئے اس سرمایہ کو خرچ کیا جو کہ مذہبی اخراجات کے لئے وقف کیا گیا تھا۔ ایک اور الزام یہ ہے کہ ”ہم نے مسلمانوں کے اور مذہبی انسروں کو موقوف کر دیا جو عقد نکاح کو مذہبی سند بناتے تھے“ تو بایں مسلمانوں کی جماعت میں رشتہ نکاح کو منقطع اور غائبانہ کو تشہیر کر دیا۔ برخلاف اسکے ہم نے صرف اتنی بات ضروری

ہے کہ قاضیوں کا سرکار کے حکم سے تقرر ہونے سے روک دیا اور ان کا تقرر
یا انتخاب مسلمانوں کی جماعتوں پر چھوڑ دیا۔ غالباً یہ تبدیلی ایک ایسی
غلطی تھی جس کے نتائج اوس وقت نظر نہ آئے ہونگے اور اب تو اس غلطی
کی اصلاح کر دی گئی ہے اور مقامات میں جہاں کہ پُرانے حالات پر
عود کرنا ممکن معلوم ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ فعل ہمارا اس غرض سے تھا کہ
سرکار کو غیر عیسائی مذاہب کی سرپرستی سے قطع تعلق ہو جائے اور
ہمارا یہ گمان تھا کہ یہ قطع تعلق ہندوؤں اور مسلمانوں کو ناپسند نہ ہوگا
اصولاً معاملات میں ہماری دست اندازی اونکو گراں گذرتی ہوگی۔
قاضی ایجنٹ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں اور اپنے حقوق حاصل کرتے
ہیں اور ان کی آمدنی کی کفالت بالعموم ازادھی یا مالگزار می پر ہوتی ہے
قاضی کسی طور پر موقوف نہیں کیے گئے لیکن وہ اب سرکاری ملازمین
میں نہ ممکن ہے کہ ان عام تبدیلیوں سے کہیں کہیں مختص المقتسام
تاراضگی ہو گئی ہو جہاں کہ ان تبدیلیوں سے خاص خاص ذاتی منافع
اور قوی تعصب کو ضرر پہنچا ہو مگر کوئی معقول پسند آدمی ملکی معاملات پر
بحث کرنا بالکل غیر منکر تھا کہ وہ تغیرات اس قدر بڑے ہیں اور اپنے نتائج
وسیع الاثر ہیں کہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے خیالات میں
اونکی وجہ سے عام تشویش پڑ جائے مسلمانوں کے بیشتر حصے تو

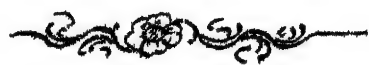
ان تغیرات کا نام ہی نہ سنا ہوگا اور یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دونوں
مصنفوں کا تجربہ جنہوں نے اس معاملہ میں خاصہ فرسائی کی ہے
ایک ہی صوبہ یعنی بنگال پر محدود ہے۔ ان راپون کے محاسن
معقول پسندی کے ساتھ یہ حجت کیجا سکتی ہے کہ ہمارے تسلط کی مخالفت
مسلمانوں کا جذبہ اور وہ باغیانہ پیشہ چار جو گاہ گاہ ہندوستان
کے مختلف حصوں میں ہو جاتی ہے ایک وسیع بیقرار و متزلزل عایا پر
غیر قوم کی حکمرانی کے خلقی لوازمات ہیں اور جو کچھ ہم دیکھتے یا سنتے
ہیں اوس سے زیادہ نہیں ہے جسکی ہلکو توقع تھی اور جسکی پیشین گوئی
ہو سکتی تھی اور مسلمانوں کا جزو آبادی بالضرور خلقی طور سے کسی قدر
مخالفت اور بچہنی ظاہر کریگا خط و کتابت و آمد و رفت کے ترقی یافتہ
وسائل یعنی ڈاک و تار ریل و دھانی کشتی مسلمانوں کو متفق کر رہے
ہیں اور برخلاف اسکے اس صدی کے آغاز میں ہندوستان کے
مسلمان مغربی مسلمانوں کی بڑی قوموں سے قریب قریب جدا
اور غیر ملکوں میں کچھ بڑی وقت نہ کرتے تھے لیکن اب وہ بلحاظ دولت
و تعلیم و تہذیب کے اسلامی جماعتوں میں معزز ترین ہیں۔ وسطی
سے سمندر تک ہندوستان ایک شاہراہ بنا جاتا ہے کیونکہ پشاور
سے ریل جو آتی ہے وہ کابل اور قندھار اور بڑی بڑی منڈیوں

میں ہی ا۔ اچھی بندرست ملاتی ہے اور حجاز کے متبرک شہر دن میں جو
 مالانہ اجتماع عاجیون کا ہوتا ہے اوسمیں ہندوستان کے حاجیوں
 کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ان تمام وجوہات سے ہر سال
 ہندوستان کے مسلمانوں سے تعلق ہے روز افزون قیمت
 ہٹل کرتا جاتا ہے اوسکی سچیدگی بڑھتی جاتی ہے اور اس بات کی
 ضرورت ثابت ہوتی ہے کہ بیان کرنے سے پہلے کل موقع کو نظر
 غور دیکھنا چاہیے۔ ہمیشہ کہی نہ کہی ہم چونک پڑتے ہیں جب ایک
 ہوشیار مصنف اپنی تحریرات سے اس معاملہ کی ایک رخی ادھر ہی
 ہوئی تصویر کھینچتا ہے اور بت سے حیرت انگیز واقعات جمع کر لیتا ہے
 اور اور اون تمام غلطیوں اور سوؤن کا ڈھیر لگا دیتا ہے جو کہ
 ہر طور پر اس ہماری مشکل راہ میں حائل ہیں جس پر ہلو چلنا پڑتا ہے۔
 لیکن مجھ کو یقین یہ ہے کہ اور قوموں کو جو دور سے تماشہ دیکھتی ہیں
 بڑی حیرت ہے کہ ہماری غلطیوں کی تعداد اور زیادہ کیوں نہیں
 ہے اور مجموعی طور پر ہر کشی اور ناراضگی کی ناگوار اور پیشتر سے
 آگاہ کرنے والی علامتیں اس قدر خفیف ہیں۔

میں نے اون ضروری سببوں اور حالتوں کی تصویر کھینچنے کی
 کوشش کی ہے (گو بہت عجلت سے اور غیر مکمل طور پر) جنکی وجہ سے

مسلمان زمین میں ایک قسم کی ناگوار ناراضگی ہماری گورنٹ کی طرف
 ایک پہلی جاتی ہے اور جس ناراضگی کے سبب سے عرصہ تک
 کامل دستاویز میان ہمارے اور ایک عالمی طبع لیکن کسی قدر
 غیر مصاحفہ جو جماعت کی ملتوی رہیگا کیونکہ حسب قدر اونکی شکایت واقعی
 اور درست ہے وہ یا تو اونکی حالت سے جدا نہیں ہو سکتی اور یا اسکا
 علاج خود اونکے ہاتھ میں ہے۔ جہاں تک کہ اونکی شکایتیں اونکی
 واقعی حالت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں یہاں یہ ہر دوسہ کرنا چاہیے
 کہ امت اہل زمانہ اور اہل اور نکلورفع کر دیگی اور یہاں مسلمانوں کو یہ یقین
 دلائل کی کوشش کرنی چاہیے کہ گذشتہ نقصانوں کے عوض میں
 اونکی خاصی تلافی اون فوائد سے ہوئی ہے جو اونکو بلاشبہ ایسی
 گورنٹ کے سایہ عاطفت میں رہنے سے یقینی حاصل ہوئے
 ہیں جسکے انصاف اور شایستگی میں کوئی گورنٹ اب تک اس
 ملک میں ہم پلہ نہیں ہوئی۔ نسبت اون اتفاقیہ نقصانوں کے جو
 مسلمانوں کی طرف سے تھلے جاتے ہیں اور نیز نسبت اون
 غلطیوں کے نتائج کے جو غیر قوم حکمرانوں سے کم و بیش سرزد
 ہوتے ہیں ہم حتی الوسع اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں اور ہم
 یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے عمدہ ترین انگریزی افسر زمین مسلمانوں

کے زیادت پر جو رش و کیلون کنی کمی نہیں ہے۔ لیکن ہکواپنے واقعی
 انصاف اور مصلحت وقت کے وسیع خیالات کی پابندی ضرور ہے
 ہم اونکو ہمیشہ ایسے ٹیڑھے اور پچھڑا سا پنچے میں ڈھال نہیں سکتے
 کہ ہندوستان یا کسی اور ملک کے اتفاقی اور عارضی تعصبات کے
 چکروں اور کونون کے ساتھ موزون کر سکیں۔ ہم اس بات کی فرہادی
 نہیں کر سکتے کہ مسلمانوں کا وہ حق ہے جو ہمارے ہندوستان کی
 اور رعایا کے لئے خلاف انصاف ہوگا ہم ملکہ معظمہ کی رعایا کو کسی
 ملکی حیثیت بخشنے سے باز نہیں رہیں گے خواہ وہ مذہب بدلے خواہ
 گمراہ ہو گئی ہو نہ ہم گھڑی کی سوئی کو پیچھے ہٹا سکتے ہیں تاکہ ہم ہندوستان
 سی عمدہ اور زرخیز زمین میں یورپین تعلیم کی تخم ریزی اور عمدہ پیداوار کو
 نہونے دیں۔ ہکو ضرور ہے کہ اپنے دفتروں میں عمدہ ترین آدمیوں کو
 بہرتی کریں چاہے وہ کوئی کیوں نہواور ہکو ہندوستان میں حکمرانی
 موافق اصول ترتیب اور ترقی اور ملکی آزادی اور مذہبی برابری کے
 کرنی لازم ہے خواہ کیسا ہی کچھ خرچ ہو جاوے *



میں آتا ہے تو ولایت کے انگریز اس پچیدگی پر لحاظ و غور نہیں کرتے
 ہیں جو بائز فرائض حکومت کے عام مسئلہ کے چھڑنے کے ساتھ پیدا
 ہو جاتی ہے علی الخصوص یہی امر تفتیح طلب ہے کہ حکام عیسائیوں کو
 بلحاظ کثرت مذاہب اور گروہوں و فرقوں کے جو اس ملک میں موجود
 ہیں اور ہمیشہ اس مذہبی کارخانہ میں پیدا ہوتے جاتے ہیں کیا برتاؤ
 کرنا چاہیے کیونکہ صرف یہی امر نہیں کہ جو مرجع اور مشہور مذاہب ہند کے
 ہیں وہ ایک دوسرے سے بالخصوص وبالاستقلال مختلف ہیں یہاں تک
 کہ اصول اخلاق کی نسبت متناقض خیالات رکھتے ہیں اور جو امور اس
 آس و نیداری کے ہیں یا جو افعال شدت سے منہ عوام ہیں ان کے
 نسبت مخالف قواعد پر عمل کرتے ہیں بلکہ حکماء و ان مختلف رنگوں اور
 صورتوں پر نظر ڈالنی چاہیے جو ان مختلف خیالات و مسائل کے مختلف
 عقول افراد کی عینکوں پر چڑھنے سے پیدا ہوتے ہیں علاوہ بین ان
 صحابہ میں فیصلہ کرنے کے وقت اکثر مختلف شکلیں ایک یا دوسرے
 مذہب کی ایک ساتھ پیش آ جاتی ہیں مثلاً ہر مذہب پر بظاہر کئی فرقہ کا
 عقیدہ ہے الا بالاصل اس کے پسندیدہ طریقہ کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے
 میں وہ فرقے بالکل غیر متفق ہیں اور ایسی عجیب صورت میں گورنمنٹ
 کے برتاؤ پر ایسے متناقض نظروں سے نکتہ چینی و جرح کیجاتی ہے جیسے کہ

انگلستان اور ہندوستان۔ اس حالت میں گورنمنٹ کا صرف یہی
 کام نہیں ہے کہ ان کثیر زبردست مذاہب کے انفرادی اور اجتماعی
 خاص کو جو باہم ایسے مختلف اُحیثیت و تقاض المذاہب میں ملحوظ اور معی
 کے بلکہ یورپ اور ایشیا کے معتقدین مذہب کے مابین اپنا طریقہ
 عمل پیش کرنا اور ہر دو برخلاف ہم کے مذہبی تعصبات کو ملحوظ رکھنا پڑتا
 ہے پس اس صورت میں ہم انگریز متناقض پیمانوں سے ناپے جاتے
 ہیں اور مختلف ترانوں کے تولد جاتے ہیں ہندو میں ہکولاپنے
 طریقہ عمل کے وجوہات برہمنوں اور بت شکن مسلمانوں کو جو اپنا
 عقیدہ مذہب سیف و سنان کی پاک بنیاد پر قائم کیے ہوئے ہیں
 بتلانے پڑتے ہیں ادنیٰ بت پرستوں کے عقیدے کی دہندگی رومی
 میں عمدہ معلوم ہونا پڑتا ہے اور ہمسو سراج کے روشن ضمیر عقیدہ و حدیث
 کو بھی خوش رکھنا پڑتا ہے ساتھ ہی لے کے ان یروش پادریوں
 کی جو بائبلینوں کو جواب دینا دوسری ہنگامہ یہ قول ہے کہ جملہ مراعات اوقات
 وغیرہ اور امیر عیسائی سے منقطع کر کے گورنمنٹ عیسائی کو صرف مذہب
 عیسائی ہی کی سلائیہ تصدیق کرنی چاہیئے اور ان تان کان مجاہد
 فرقہ ولایت سے بحث کرنی پڑتی ہے جو ہمارے پادریوں کے
 اخراجات پر نکتہ بین ہیں اور جو پادریوں کا ہندوستان کے سرکاری

جب مذہب کا سوال ہو
 تو اس میں
 کوئی حد نہیں

اگرچہ مذہب
 کی ایک حد ہے
 مگر اس حد کو
 توڑنا جائز ہے

یا تو مذہب
 کی ایک حد ہے
 یا تو مذہب
 کی ایک حد ہے

یا تو مذہب
 کی ایک حد ہے
 یا تو مذہب
 کی ایک حد ہے

خزانہ سے روپیہ پانا پسند نہیں کرتے سینہ باضیہ میں جو مختلف اور قوی
ذوق و شوق معاملات ہند کے بارے میں ولایت میں پیدا ہو گیا اور
اوس سے اہل کشمیر کو عموماً نیم و قہیٹ ہندوستان سے ہوئی
ہے جسکو ایک غلط بحث اور خیالات کا کہنا چاہیے مذہب کے مثل
عموماً دھرم و مذہب کے باب میں دونوں شرقی اور غربی طریقہ خیالات
کی سرحد یہ واقع ہیں مثل مشہور ہے کہ ادھورا علم باعث خدشہ ہوا کرتا ہے
(نیم حکیم خطہ جان و نیم ملا خطہ ایمان) اور غالباً ایسا وقت نہ محفوظ اور
نہ موثر ہو سکتا ہے جبکہ یہ پارلیمنٹ کی جنگ میں بطور گولہ اور بارود کے
استعمال کیا جاوے یا جس سے نظائر ہند کی بنا پر دلائل میں کسی جگہ
خاص کو اپنی تدبیر کی تائید کا ذریعہ ہو ورنہ یا جس سے اوس رائج
اور عام پسند ملکی معاملات کے متعلق لٹریچر میں غیرت انگیزی کی قوت
پیدا ہو جو پارلیمنٹ سے باہر عوام کے دلوں کو موجودہ حالت سلطنت ہند
کی طرف متوجہ اور مائل رکھتی ہے تاہم ایسے ایسے نکتہ چینوں کی فردا و
کلینتابہ خواہش ہے کہ گورنمنٹ ایک فعل کو کرے یا دوسرے فعل سے
باز رہے اور ہر ایک قدم گورنمنٹ کا جو آگے یا پیچھے پڑتا ہے کسی کسی
نکتہ چین کو عموماً ناپسند ہوتا ہے۔

وہ زمانہ گزر گیا جبکہ گورنمنٹ ہند ایسی متناقض ذمہ داریوں اور

انخواہشوں کی اوچھن سے اس طرح کٹنا کہ کھوت اختیار
 کرے اور حالت موجودہ کو قائم رکھے وہ حقیقت اندازہ سے ہماری حکومت
 مشرق کا سب سے بڑا دولت مارلین ہے انگلستان کی یہ خوش
 قسمتی تھی کہ ایسے وقت میں اس کی حکومت کو ہند میں استقلال حاصل
 ہوا جبکہ انگریزوں کی قوم میں نہ بھی جوش کی آہنج دہی ہو گئی تھی۔
 اٹھارہویں صدی میں یہ ممبران گرجا نہ نہ وین میں غیہ ملکوں میں عیسائی
 کرینیکا یا اپنی ولایت میں پادریوں کے غلبہ حکومت کا (سولے غلبہ
 حکومت کے اوپر آئرش پاپسٹوں کے) دلی جوش باقی رہا تھا اور اس لئے
 جو فاش غلطیاں ہمارے پیش رفتگان (مستقرین) اقوام یورپ سے
 فرط جوش مذہبی کے باعث صدیاں اضمیہ میں بغرض فتوحات
 حکمرانی ممالک مشرق و مغرب ہندوستان و امریکہ میں سرزد ہوئیں
 اون سے ہلوگ متبرار ہے۔ علاوہ برین ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے
 شروع ایام میں یہ بات صریح اور مفید مصلحت تھی کہ وہ مارلین یعنی اہل
 ہند کے معاملات مذہبی میں دست اندازی سے قطعی احتراز اختیار کرے
 ایسے طریقہ عمل پر کار بند نہونا ایسی جماعت کا عین حق ظاہر کرتا جسکی
 خاص غرض اہل ہند کے ساتھ کاروبار تجارت تھی۔ اس لئے اولیٰ درجہ
 نے ہی جو اشیاء مادی کی خرید و فروخت کا اپنے ہاتھ میں اچار رکھتے

تھے مذہبی معاملات کے آزادانہ تجارت اور غیر محدود سودے کو فروغ
 دیا۔ پس ہم کی مذہبی حکمت عملی سے کننا یہ کشی کی روایت بالمثل
 ہوئی اور یہ ابہول زمانہ دراز تک برقرار قائم رکھا گیا جبکہ شاہزادگان
 پندتاناں اور مولویان ہند کی رعایت اور امداد کی کمپنی محتاج نہ رہی بلکہ
 ان کی اغراض اور معاملات کا تصفیہ کمپنی کے قبضہ اقتدار میں آ گیا۔
 ہماری قوت اور ذرا افزون ترقی ہوتی گئی تاہم ہلوگ جمیع مذاہب کو
 جن میں مذہب عیسوی بھی شامل تھا نہایت مستحکم مصفاہ وغیر جانب داری
 کی نظر سے دیکھتے رہے جس نے کل مذہبی رسم و رواج کی نسبت استقامت
 غیر جانب داری کی کہ اس کو بجا نفاذ تمام مرعی رکھا۔ ہندوستان
 کے جس کسی رواج یا رسم کو مذہب سے ذرا ہی تعلق تھا اس کو باعزاز
 تمام محفوظ رکھا ہم نے صدق دل سے اوقاف مذہبی میں دست اندازی
 نہیں کی اور نہایت نیک نیتی سے اہل تقویٰ کے روزیے اور وظیفے
 قائم رکھے۔ فی الحقیقت کمپنی نے ان ذمہ داریوں کو بطور و وصیت
 کے قبول کیا جس کے موجد اس کے آگے کے حاکم تھے اور ہر دین و ملت کے
 عطیات مذہبی و خیراتی کا انصرام و انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ہم نے
 ہندوؤں و مسلمانوں و پارسیوں کو اور نیز ملحدوں و مقلدون کو۔
 جگتاہر کے مندر کو اور اوس مسلمان کے مزار کو جو کہ کافروں کے پاشیاں

گواہی دینا
 کچھ سالہ
 قاعدہ کی
 خیر و دولت
 کا بھاری
 پائے میں
 لکھا ہوا
 اکالوی
 مذہب کی
 حالت
 مذہب کی
 حالت
 مذہب کی
 حالت
 مذہب کی
 حالت

ہمارے ہی مقابلہ میں شہید ہوا جو بلا روایت روپیہ دیا۔ طرزِ نشانی
 حالات ہمارا یہ طریقہ جب قدر کہ دانشمند سی اور عاقبت اندیشی کا تھا۔
 اسی قدر عام پسند بھی تھا کیونکہ کسی گورنمنٹ سابقہ مذہبی برتاؤ
 میں ایسا کامل اعتدال معنی نہیں رکھتا۔ مسلمانوں نے مذہبی جوش
 کی امنگ میں غیر قوم پر ہمیشہ ظلم و تعدی کی۔ مرہٹوں نے اوقات
 اسلامیہ پر بہاری ٹیکس لگایا اور جبکہ سرکاری خزانہ خالی ہوا تو انہوں
 نے بعض اوقات اور اوقات کو ضبط بھی کر لیا اقل درجہ جو ایک دوسرے
 کے بعد حکمران رہے انہوں نے اپنے مذہب کی خدمات کے لئے
 خاص اور کافی سامان و بندوبست کیا تھا اور دوسرے مذہب کے
 لئے شاد و ناود اور یہ طریقہ حکمران فاتح کا محض حق ہی نہیں منظور ہوا بلکہ
 عین فرض سمجھا گیا جو اس بات پر مبنی تھا کہ فلاں مسائل مذہبی کی اشاعت
 یا فلاں دیوتاؤں کی مانتا کی ترقی اس فاتح پر لازم تھی برخلاف
 اسکے جن محافظ دیوتاؤں کے منانے اور خوش کرنے کی پروا کوئی
 تھی وہ ولایت ذمی رتبہ و ذمی اقتدار مجسم الشان تھے اور ہندوستان
 میں کمپنی کے مغز افسروں کو دین عیسوی سے کسی قسم کے تشکک
 تعلق رکھنے میں اس قدر احتیاط تھی کہ بعض اوقات وہ مذہب مشہور ہو جاتا
 تھے۔ پس یہ نتیجہ ظہور میں آیا کہ گو مذہب ہندو یا اسلام کی تائید میں معقول

اوقاف و کثیر التعداد وظائف مقرر ہوتے تھے جب کہیں کہ ہندو میلان
 غالب آتے تھے۔ لیکن اس عجیبے نیرنگی زمانہ سے جسے عیسائیوں کو
 ہندوستان میں درجہ اعلیٰ پہنچا دیا مذہب عیسائیوں کو کچھ بھی فائدہ
 نہ پہنچا اور یہ پہلا مرتبہ تھا کہ ہندوستان کے وسیع صوبجات کی دولت کا
 انتظام ایسے حکمرانوں کے ہاتھ میں آیا جنہوں نے باہمتنا سے چند
 قلیل تعداد تنخواہوں کے کوئی حصہ اوس دولت کا اوس مذہب کی تائید
 میں صرف کر سیکے تھے ذرا بھی میلان خاطر ظاہر نہ کیا جس مذہب کے کہ
 وہ خود پیرو تھے نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ ہندوستانی عیسائیوں کی حالت اور
 دیگر مذہبوں کی حالت میں جنکا تواریخ میں ذکر ہے صریح اور بین
 فرق ظاہر ہوا یہ فرق زیادہ تر تعجب انگیز اور موثر اسوجہ سے تھا کہ تمام
 اختیارات مالی و ملکی اذن گو کون کو حاصل تھے جنکے مذہب کی تائید کے
 کچھ عطیات و وظائف نہ تھے اور لطف یہ کہ جو اقوام سلطنت سے
 معزول اور مغلوب ہو گئیں اوسکے قبضہ میں بڑے بڑے مذہبی اوقاف
 تھے سلطنت کے بڑے بڑے عہد و سر عیسائی مامور تھے جنکو کثیر التعداد
 مالگزاری پہلا کسی جوابدہی کے غیر محدود اختیار حاصل تھے الا مذہب
 عیسائی ایسا ہی لاچار اور ضعیف حالت میں تھا جیسا کہ اوس اواخر زمانہ
 میں جبکہ سلطنت روم اس کے علما و حکماء کے درمیان میں اوسکو اپنی جان

کے لالے پڑے تھے اور جبکہ ٹرکی میں ان کے متبرک مقامات کی بہت
یونانی و لاطینی پادریوں کے باہم تنازع نے سلطنت اسلام کے
سلطان کے پایہ تخت کو ہلا دیا تھا۔ ہندوستان میں عیسائیوں کی
جماعت کے اختیار میں سرکار نے اور کوئی رعایت یا ذریعہ تحفظ اس کے
زیادہ نہیں جو پڑا جو معمولی مجسٹریٹ کی جانب سے کسی ایسے ناچیز فرقہ
پر پیش کنندگان کو حاصل ہوتا ہے جنکو کسی قسم کے پولیٹیکل و فوٹ پر
دعویٰ نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ مذہبی معاملات میں دلیرانہ رکنش سے جانبدار
تمام ایشیائی تقصبات و نظائر کے مخالف تھی۔

جہاں پر کہ میں نے ہندوستان کے عیسائیوں کا ذکر کیا ہے
وہاں پر یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ہندوستانی عیسائیوں سے
میری مراد صرف ایسٹ انڈیا کمپنی یا اون اشخاص کے گروہ
سے ہے جو انگریزوں کے عہد میں یورپ سے آکر ہندوستان
آباد ہوئے ہیں یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ ایک شاخ ابتدائی
نسٹورین چیچ کی بہت صدیوں تک جنوب ہند میں خصوصاً گرو نول
پڑاؤ نکور میں سرسبز و شاداب رہی ہے اور گویہ عیسائی عجمین
رومن کیتھولک لوگوں کے ساتھ تنازع اور نا اتفاقوں سے
باہم کمزور ہو گئیں تاہم لاکھوں صاحب جنگی تواریخ عیسائی ہند

یہاں پر یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ہندوستانی عیسائیوں سے
میری مراد صرف ایسٹ انڈیا کمپنی یا اون اشخاص کے گروہ
سے ہے جو انگریزوں کے عہد میں یورپ سے آکر ہندوستان
آباد ہوئے ہیں یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ ایک شاخ ابتدائی
نسٹورین چیچ کی بہت صدیوں تک جنوب ہند میں خصوصاً گرو نول
پڑاؤ نکور میں سرسبز و شاداب رہی ہے اور گویہ عیسائی عجمین
رومن کیتھولک لوگوں کے ساتھ تنازع اور نا اتفاقوں سے
باہم کمزور ہو گئیں تاہم لاکھوں صاحب جنگی تواریخ عیسائی ہند

۱۶۲۲ء میں تالیع ہوئی تھی رقم طرائف میں کہ میرے زمانہ میں
 پنڈت سوآرجا عیسائی اور اسی قدر قریب و دیات ممالک کو چین اور
 ٹراونکور میں اسی فرقہ کے موجود تھے۔ اسی بی ڈوبائی صاحب
 نے اپنی شہادت میں جو ادھون نے جوس آف کائنات میں
 دنی بیان کیا کہ ۱۶۹۲ء میں عیسائیوں رومن کیتھولک کی تعداد
 جنوبی حصہ ہند میں تھیں ۸۵ لاکھ سے زیادہ تھی لیکن گذشتہ اسی برس
 میں مذہب عیدوی سرسجامت شراہ میں آتا گیا ہے اور نسبت
 اونکی حالت ۱۶۹۲ء میں تھی جس سال میں کہ ڈوبائی صاحب
 نے شہادت دی صاحب موصوف یون فرماتے ہیں کہ ہندوستانی
 عیسائیوں کی قرار واقعی ترقی اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ اونکے
 مذہبی ہادی اوس افلاس اور فقیری کی حالت سے جہیں وہ عموماً
 بسر کر رہے ہیں نکالے جاویں کیونکہ بیشتر انہیں سے کچھ استطاعت
 اپنی پرورش کے سوائے قلیل بضاعت اپنے مظلوم متابعین
 کے نہیں لیتے جو خود نہایت غریب ہیں اور اونکے مذہب کے پادری
 جب ایسے غریب ہو گئے کہ اپنی ضروریات کے مہیا کرنے کے واسطے
 اپنے مذہبی تبرکات (سیکریٹس) کے بدرجہ ناگزیر لاچاری و حالت
 یاس کے ایک قسم کی تجارت کرنے لگے اور انہیں تین چار

۱۶۹۲ء میں تالیع ہوئی تھی رقم طرائف میں کہ میرے زمانہ میں

کی حالت میں ڈال دیا۔ صاحب موصوف نے یہ تجویز کیا کہ پادری
لوگ افلاس کے مصائب سے انس طرح بچائے جا دیں کہ بشپ
کی تنخواہ ساٹھ پونڈ یعنی چھ سو روپیہ سالانہ مقرر کر دی جائے اور نیز
تنخواہ پادریوں کی اسی مناسبت سے مقرر کیا دے۔ ۱۸۳۱ء تک
ہمارے ہی قوانین نے ہندوستانی عیسائیوں کو سخت سیول ناقابلیتوں کا
پابند کیا ان قوانین نے مذہبی معاملات میں اس تعصب اور نفسانیت
باضابطہ اختیار کیا اور ان کا قاعدہ اجرا کیا جو اس وقت تک بے ترتیب
اور غیر مستقل طور پر مروج تھے۔ ہندوستانی عیسائی پیشہ وکالت و
دفاتر و محکمہ جات سرکاری سے خارج کر دیئے گئے بلکہ ان کے
قطعی اخراج کا دعویٰ ہندوؤں یا مسلمانوں نے کبھی پیش نہیں کیا
اور نو مسلم ان مذہب عیسائی بوجہ تبدیل کرنے اپنے اصلی مذہب کے
مستوجب پناہ اپنے جا یا دہی کے تھے بلکہ اپنی عورتوں اور بچوں کے
بھی محروم کیے جاتے تھے اور ظاہر اداؤں سے مثل کبخت خارج شدہ
لوگوں کے عموماً برتاؤ کیا جاتا تھا جن کے ساتھ کوئی شخص کسی قسم کی
احانت کرنے کے لئے تکلیف اڑھانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ گورنمنٹ
برطانیہ نے اپنے خاص ملازمین کے لئے چند پادری مقرر کیے تھے
لیکن مغربی ہندوستان میں ان پادریوں کی ۱۸۳۱ء تک

مذہب عیسائی
پیشہ وکالت و
دفاتر و محکمہ جات

سال میں کہ کلکتہ کے لارڈ پادری کی عمدہ قائم ہوا ایسی خراب حالت
 تھی کہ وہ ہماری قومی تدلیل کے باعث بیان کیے گئے۔ برسوں تک
 ہمارے عد حکومت میں احاطہ بمیں صرف ایک انگریزی گرجا تھا جو
 ۱۸۴۷ء میں بمیں تعمیر ہوا اور سو برس بعد ہندوستان کے کل
 پروسٹنٹون کے لیے ایک ہشپ اور انیس^{۱۹} چیلین کل احاطہ بنگال کے
 لیے اور ایک اسکچ پادری (ایک ایسی کفایت شکاری کی اعانت جس پر نو
 کثیر اسکچ ہندوستان میں رہا) ہر ایک پریسڈنسی کے
 لیے مقرر ہوئے۔ لوکل گورنمنٹوں کو بھی مشکل تمام اجازت تعمیر کرنے
 پسند کم قیمت گرجوں کے "لی لیکن یہ کہا گیا کہ مذہب رومن کیتھولک
 کے پیروں نے سرکاری خزانہ کی امداد کے بغیر اپنے گرجے بنائے
 اور سرکاری مالکداری کی بچت کرنے کی وجہ سے فرقہ پرستوں کے
 متقلدون کو شرمادیا۔ یہ صاف ظاہر نہیں ہے کہ اوں عیسائی جماعتوں
 کی کسی قسم کی اعانت یا امداد نہ کی گئی جو کہ ملک ہندوستان کے
 باشندہ تین^{۱۸۴۲} میں ان کی نسبت یہ بیان کیا گیا کہ "وہ انیس
 کے قابل ضعف اعتقاد اور زلت کی حالت میں تین" خصوصاً جزیرہ
 سالٹ میں جو بمیں کے قریب^{۱۸۴۷} اور ۱۸۴۷ء سے دولت برطانیہ کے
 قبضہ اقتدار میں تھا۔ لیکن ایسے زمانہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے

۲
 لارڈ پادری کی
 قومی تدلیل
 کے باعث بیان
 کیے گئے۔

معابد اور مذہبی مراسم کا نہایت احتیاط اور ادب کے ساتھ رکھا گیا
 جاتا تھا تاکہ اونکی ایسی ہی توقیر ہو جیسی کہ ہندوستانیوں کے
 حکومت میں ہوتی تھی۔ مندوں اور مورٹوں کے فوجی اور ملکی کام
 و اعزاز حسب معمول ادا کئے جاتے تھے حسب دستور قدیم ضلع
 مجسٹریٹ ایک مشورت کی رتہ کے کہنچنے کے لئے بیگار کثرت
 تھے اور اس عام بیگار میں عیسائیوں کو بھی بھی کرنے سے انکار
 کرتے تھے ہم یعنی انگریز وادادہ موقوفہ کا انتظام کرتے تھے
 اونکا منافع خالص پوجا رہن یا متولیوں کے حوالہ کرتے تھے
 غرضکہ اس انتظام کے جزویات تک میں ہمارا دخل تھا آمدنی و خرچ کا
 انتظام کرتے تھے عمارتوں کی مرمت کرتے تھے اور رتوں اور
 مورٹوں کو درست رکھتے تھے اونکے ملازموں کو مقرر کرتے تھے اور
 تمام اشیاء کو بیکار کرتے جنگی مندروں کے خرچ کے لئے ضرورت ہوتی
 تھی۔ بہر حال یہ تمام امور صرف ظاہری برتاؤ سے متعلق تھے جسے
 کچھ نقصان نہ تھا اور جبکہ مقتضایں ملکی اسی طور سے تسلیم کرتے تھے
 جس طرح کہ قانون کی عدالتیں بت پرستی کے مہم کی سماعت اور
 تصفیہ کرتی ہیں لیکن علاوہ اسکے اور متصبا نہ دستور تھے جو عیسائی
 اہل حق اور مذہب کے ابتدائی اصول کے موافق تھے

ملازموں کے متعلق

قابل اعتراض تھے لیکن او کی نیت کی وجہ سے مذہبی رائے کے لحاظ سے معمولی قانون تعزیری کے احاطہ سے خارج کیے گئے تھے۔ عرصہ دراز تک ان دستورات میں دست اندازی کرنے میں ایٹ ایڈمینیسٹریٹس و پیش کرتی رہی اور یہ احترام مسئلہ مارلش کے اوس منزل کے موافق تھا جس پر ہماری گورنمنٹ اوس وقت پہنچی تھی کیونکہ جب تک کہ ایک جداگانہ فرقہ یا گروہ کے قوانین اوسکے مذہب پر مبنی اور منحصر ہوتے ہیں اوس وقت اوس فرقہ یا گروہ کے قوانین بجائے ملکی ہونے کے شخصی ہوتے ہیں سو بائیس کی ایسی حالت میں گورنمنٹ عموماً کسی ایسے فعل میں جو اوس شخص کے پیدائشی مذہب کے موافق روا ہو دست اندازی کرنے سے باز رہتی ہے۔ الا اوس صورت میں نہیں جب کہ اوس فعل سے خود سلطنت کو خطرہ ہو۔ اور مملکت زور آور قوموں یا قومی مذہبی گروہوں کے محتاط حکمرانوں میں ان اصولوں کا پسند کیا جانا تمام دنیا بھر میں دو وجوہ یعنی کمزوری اور حکیمانہ غیر جانبداری مبنی ہے۔

بہر حال لون یورپین سرداروں نے (یعنی افسروں نے) جو یورپ کی ہدایت کے موافق ہندوستان میں حکمرانی کرتے تھے جلد یہ بات دریافت کر لی (اور بعض مفسدوں کے لئے یہ جرات اور ملکی دوراندیشی

کی بات تھی کہ سٹھل اور غیر منصف گورنمنٹ کے معنی کی نسبت یہ پہلا
وقیانوسی خیال غیر کافی اور نامکمل تھا تب وہ پیچیدہ سوال پیدا ہوا
جسکی وجہ سے تمام عیسائیوں کو مختلف صورتوں اور درجوں میں اوس
وقت سے دفعتاً پیش آئی ہے جب سے ہم نے غیر منصف اور تعصب آمیز
احم پرانے قاعدے اور سیدھے سادے طریقہ کو چھوڑ دیا ہے اور
جسکی وجہ سے لندن اسکول بورڈ کو بھی اصولوں کے مباحثے کے
اوائل میں تکلیف ہوئی تھی وہ سوال یہ ہے "اوس چیز کی نسبت روا
رکنے کا برتاؤ ہم پر کتنا تک لازم ہے جسکے بطلان کی نسبت ہم کو
یقین واثق ہے" وہ نہایت استثنائی صورتیں جو پر و فیہ سرکشی نے
انتظامی تنظیم کے لغو ثابت کرنے کے لئے فرضاً پیش کی تھیں بطور
اصلی واقعات کے ہندوستان کے حکمرانوں کے سامنے پیش آئیں
جسکو کہ واقعی طور سے یہ فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ آیا دیوی استطورت کی
پرستش روا رکھی جائے اور اون مذہبی دستورات کے جاری رکھنے
کی اجازت دیجادے جو تنگی سے کچھ کم و حشیانہ تھے۔ یہاں تک
قبل کہ ۱۹۴۷ء میں مسٹر گرانتھ نے اپنی کتاب موسومہ ایشیائی سوسائٹی
کی حالت کے ریویو میں گورنمنٹ سے یہ سوال کیا کہ کیا طریقہ ہندو
تمام بیوب دگنا ہونکا قائم رکھنا ہم پر فرض ہے کیا ہم مذہب ہندو

ہر ذیاب اصول اور رسم کے محافظ اور ولی بن گئے ہیں۔ تاہم بتدریج
گورنمنٹ کو اس قدر بہت ہوئی کہ ان سوالوں کا جواب صاف نفی میں
دیوے لارڈ ولسلی کے عہد میں جانوروں کو کھلا دینے کی غرض سے
بچون ایریڈر ہے والدینوں کو جنگل میں چھوڑ دینے کی یا ہو گلی میں ڈبک
مرجاستہ کی کردہ رسم خلاف قانون قرار دی گئی اور جبر و فریب کی خبیث
کارروائی سے بیواؤں کو آگ میں ڈال دینے کی رسم ۱۸۲۹ء تک روا
رہی جبکہ ارڈر لیم بنٹک نے کچھ پس و پیش اور بہت سے عذرات
کے بعد اسلوی بھی خلاف قانون ڈر دیا۔ یہ اور نیز اسی قسم کی خاندانی
رسوم مثلاً (غلامی اور خودکشی وغیرہ) بتدریج اسوجہ سے ناجائز قرار
دی گئیں کہ تمام دنیا میں ہر دنیوی قانون اور اخلاق کا طریقہ ان غلطیوں
کا تعلق راستے میں ہے اور یہ کہ یہ سب ہی غلطیوں کے خلاف
موجود زمین کسی قسم کے پولس کی پابندی ضرور ہے گو یہ خلاف
اور اس کے لیے ہی کیوں نہ ہو یہاں تک تو گورنمنٹ مضبوط
ہوئی کہ یہ سب غلطیوں کو ختم کر دے اور اس کے لیے ہی کہ اس
کے خلاف اس کے خلاف اس کے خلاف اس کے خلاف اس کے خلاف

میں دست اندازی کر نیکا سسکا سوچہ سے ملتومی رکھا گیا کہ وہ زیادہ
حکیمانہ اور کمتر ضروری تھا۔

باوجودیکہ ہر مذہب کے روارکنے کا دم بہرنے میں ہم بہت سعی
تھے تاہم پہلی مذہبی مشکلات ہمارے چاروں طرف جمع ہو رہی تھیں۔
ہمکو جہاز رانی سلطنت میں وہ پیچیدگیان جلد پیش آئے لیکن جنگ
چکر میں اس وقت سے ایسی ایک گورنمنٹ پڑی تھی جس پر اس کے اثر
میں عوام الناس کی رائے کی ایسی دو مختلف دہاروں کا کم و بیش اثر
پڑتا ہے جو مغرب اور مشرق سے آتی ہیں اور جو اتنی ہی قوت
پکڑتی جاتی ہیں (گو ان کی قوت کا تناسب بدلتا رہتا ہے) جتنا کہ ہمارے
سفر کا فاصلہ زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ مغربی ریلا جس کا اثر اب تک بہت کم
معلوم ہوا تھا اب بہت زور کرنے لگا اور معایہ خیال پیدا ہوا کہ علاوہ
اور با توین کے مذہب عیسائی کی نسبت بھی عام رعایت مرعی کہنی
چاہیے۔ اور یہ کہ ایک ایسے طریقہ کی نسبت اقل درجہ یہ تو کہا جاسکتا ہے
کہ اوس میں کثرت رائے کی پابندی کا حد سے زیادہ بجا ظاہر جاتا ہے۔
ہم کو وہ طریقہ یہ روارکے کہ ہندو یورپوں کی رہتہ کے کشتی کے
انکار کرنے کی وجہ سے ہندوستانی عیسائیوں کو مزید تازیانہ
عام طور پر دیا گیا ہے اور ان یورپوں کے مرنے کے لیے

دست اندازی
کے لیے
تہ تیغ

ٹکس لگایا جائے اور عیسائیوں پر رسولِ ناقابلِ تین عالم کی جائیں۔ پس
 ۱۸۳۳ء میں گورنمنٹ نے یہاں تک کارروائی کی کہ ایک قانون نافذ
 کیا جسے اون شخصوں کو جو اپنا مذہب تبدیل کر دیں اور جو تبدیل نہ
 کی وجہ سے محروم الارث ہو جاتے تھے نقصان جایداد سے محفوظ
 کیا۔ یہ قانون عام تھا گو کہ اس کا مقصد خاص نو عیسائیوں کی تسکین
 تھی تاہم ہندوؤں نے فی الواقع اس قانون کے خلاف یہ غل مچایا کہ
 اس قانون کا نفاذ اس بے طرفداری کے صریح خلاف تھا جس کا اظہار
 گورنمنٹ اس قدر احتیاط سے کرتی تھی گو یہ بات مشہور ہے کہ مسلمان
 اپنے عہد حکومت میں نو مسلموں کو صرف نقصان ہی سے محفوظ نہیں
 رکھتے تھے بلکہ ان کو انعام و اکرام بھی دیتے تھے۔ یہ نہج اس وقت سے
 انگریزوں کی ادس منہی راے کے دباؤ کا اثر ہمارے انتظامی حکمت
 عملی پر صاف طور سے پڑنے لگا جس کے بیشتر منظم اور ہادی پادریوں کے
 جلسوں کی روز افزون ترقی پذیر قوت تھی عیسائیوں اور نیز ہندوؤں
 مسلمانوں کے مذہبی عقائد معرض بحث میں آئے اور خوب طر سے ظاہر
 کیے گئے تھے اور بعض اوقات ان مجالس ہواؤں کے ہر کون سے
 عجیب اختلافات پیدا ہوئے مثلاً ۱۸۳۳ء میں گورنمنٹ نے سب
 مسلمانوں کو اس امر کی ہر قسم کی حمایت غلامی (جواں نہیں)

اس
 کے
 خلاف
 ان
 کے
 حق

سے متعلق ہے جسکے حال کے انتظام کی نسبت ڈاکٹر ہنٹر کی رائے
 میں ہم پر ذیہ و دانستہ بد نظمی و تغلب کا الزام لگایا گیا ہے (ایک معمولی
 حکم کلکتہ کے بورڈ آف ریونیو کے پاس اس غرض سے بھیجا گیا کہ اس
 امام بارہ کی مرمت کے لئے ہسکے کی درخواستیں طلب کیجاوین اس
 حکم پر ایک ممبر نے یہ رائے تحریر کی ”مجاہد نہایت رنج ہے کہ گورنمنٹ
 ایسے احکام بھیجتی ہے جنکی تعمیل میں اپنی روح کو بغیر صد مہینچائے نہیں
 کر سکتا میں ادب لیکن نہایت سچائی کے ساتھ ملتی ہوں کہ مجھ سے
 ایک ایسے معاہدے کے فائدہ رکھنے اور سچانے کا فریضہ پھرنے کی خواہش
 نہ کیجاوے جس میں وہ طریقہ پیش مرعی ہے جسکو میں صدق دل سے
 سچے خدا کی عبادت کا طریقہ خیال نہیں کرتا میں یہ جانتا ہوں کہ یہ کام
 نہایت آسانی سے تعمیل ہو سکتا ہے جسکے کرنے کی مجھے ہدایت ملی
 ہے اور یہی کہ غالباً اسپین بورڈ کو نہایت ہی کم دست اندازی کی ضرورت
 ہوگی لیکن یہ کئی اور پیشی وقت کی بحث نہیں ہے میرا اعتراض قاصد کا
 ہے میری رائے میں اس راہ میں ذیہ و دانستہ ایک قدم رکھنا جو
 حق کے مخالف ہو ایک جرم کبیر ہے۔“ یہ اقتباس اوں مشکل حالتوں
 کی ایک نظیر ہے جس میں گورنمنٹ بعض اوقات اپنے تین پانی تھی لیکن
 غائب تو اب تک مسلم فرض تھا کہ ہم حسب دستور و رواج قضا کرنا

سابق اور توقعات رعایا کے اس ملک کے بڑے مذہبی اوقات کی عزت
 کہین اور برقرار رکھیں اور نیز خلیج طوفان خیز جہین ہم ایسے فرض کی
 نسبت مسیح غفلت کرنے کی وجہ سے غالباً گر پڑتے۔ دوسری جانب
 نیچے عیسائیوں کا گرمجوش اور روز افزون فرقہ تہا جو روزیہ نور ڈالتا تھا
 کہ جو نئے مذہبوں کی کسی شتم کی اعانت شیطان کے ساتھ سازش
 اور سچے مذہب کے برخلاف جرم ہے اور یہ کہ ایسے معاملہ میں اونکے
 وسوسے بھی اسی قدر قابلِ لحاظ تھے جیسے کہ خیالات خام ہندوؤں
 کے یا سخت تشرفِ بنگا انہماز مسلمانوں کی جانب سے ہوا کرتا ہے اور یہ کہ
 اب عیسائیوں سے یہ نکما جاوے کہ وہ ضننا یا بطور استعارہ کے بھی
 جگناتہ کارتہ کہنچین اور یہ کہ جب ایک عیسائی گر جا بے مرست ہو تو
 اوسکے ڈھادینے کا حکم جاری کیا گیا اور مسجدوں کی تعمیر کے واسطے
 ہوشیار معمار مقرر کیے گئے اور یہ کہ اس شتم کی حکمت عملی سے
 ہندوستانیوں کی نگاہوں میں ہماری بزدلی ثابت ہوتی تھی۔ زمانہ حال
 میں اس ضغط میں سے نکلا جانے کے لیے صرف ایک راہ ہے جسکو ہمیشہ
 وہ گورنمنٹیں اختیار کرتی ہیں جو ہمیں اور رقیب فریقوں سے چاروں
 طرف گھبراتے اور کچے پیچھے ڈھکی چھپی جہاں جہاں کہیں گورنمنٹ تمام مذہبی
 سے دور رہا کرے اور نہ ہی انتظام کے محفوظ بندوگاہ میں لگا دے

اور وہ جماعتیں جنکے پاس دولت وقت نہیں ہے، قدرتی طور سے یہ خواہ
 کرتی ہیں کہ گورنمنٹ کو ایسے ہی نالے میں کھدیر لے جائیں کیونکہ ان کو
 اس سے زیادہ عمدہ سودے پر مجبور کرنے کی امید نہیں ہوتی ہے۔
 وہ یہ تو امید کر رہی ہیں کہ انکے لئے مذہبی ہادیوں کی جماعت
 وگرجا سرکاری خزانہ کے امداد سے گورنمنٹ قائم کر لی کیونکہ وہ یقیناً اسی
 جماعتوں کے تقرر کی مخالفت بالاصول کرتے ہیں لہٰذا وہ یہ درخواست
 کر سکتی ہیں کہ مذہبی ہادیوں کی جماعت وگرجے کے شاہی خزانہ سے
 امداد کرنے سے گورنمنٹ باز رہے اگرچہ انکے اوقات قطعی طور پر
 نہیں کر سکتی۔ وہ منطقی طور سے یہ تجویز نہیں کر سکتیں کہ ہمارا لیول اونچا
 کر دیا جاوے لیکن وہ معقول طور سے موجودہ مذہبی ہادیوں کی جماعتوں
 کے لیول گٹھا دینے کے لئے دایلا کر سکتی ہیں۔ اور زمانہ حال کی گورنمنٹ
 انکی بے طرفزاری اور خالص بیجا بنداری کا دم بہرنے سے یہ دعویٰ پیدا
 ہوتا ہے کہ اوسکا یا اصول سب کے واسطے یکساں طور پر کام میں لایا جاوے۔
 یہ حل اس مشکل کا جو انگلستان میں امید اور توقع سے بڑھے خوبی
 تصویر سے ہندوستان میں کسی قدر پیش از وقت ہے کیونکہ ہندوستان
 کے مراستہ اور وہاں کی رعایا کے تقصبات کی وجہ سے اس اصول کا
 کسی قدر انکار نگ نظر آتا ہے کہ کسی خاص مذہبی راستے کے

نہ
 حاکم
 جماعت
 وقت
 ہادیوں
 مذہبی
 خزانہ
 گورنمنٹ
 امداد
 لیول
 ہندوستان
 تقصبات
 اصول
 راستے

اظہار یا تائید سے گورنمنٹ قطعی استرازا کرے جس سے پیشتر کی گورنمنٹوں کو
 اس خاص قسم کی مشکل سے اقل درجہ آزادی تھی کیونکہ مذہبی حکمت عملی
 اس قدیم نمونہ پر تھی کہ جو کچھ کیا جاوے وہ اپنے ہی مذہب کے واسطے
 اور غیر مذاہب (سوائے اُن صورتوں کے جبکہ وقتاً فوقتاً مذہبی جہاد کا
 جو ش ظاہر ہوتا تھا) علاحدہ چھوڑ دیا وین۔ لیکن پادری انگریزی گورنمنٹ
 سے عاجزی سے یہ کہتے تھے ”ہم آپ سے یہ خواہش نہیں کرتے کہ آپ
 مذہب عیسوی کی تائید کریں۔ اگر آپ موافق ہمارے خیال کے لا مذہب
 بننے ہیں تو اپنے اصول پر قائم رہیے۔ اور کسی اور مذہب کے مختار یا نظم
 نہ بنیے۔“ ان مختلف وجوہات سے ہماری گورنمنٹ نے ہندوستان میں
 وہی بات اختیار کی جو ہر حکمران جماعت ایسی حالت میں آخر کار اختیار
 کرتی یعنی گورنمنٹ نے مذہبی وقفوں سے صریح تعلق قطع کر دیا اور یہ
 کر لیا اور یہ توقع کی کہ اس سے تمام فریق خوش ہوں گے اور گورنمنٹ
 مذہبی نزاع کے جگڑوں سے علاحدہ رہیگی اس قطع تعلق کے اصول کی
 پابندی ہندوستان کی گورنمنٹ پہ انگلستان کی گورنمنٹ نے عائد کی
 کیونکہ آخر الذکر کی ریسے میں یہ اصول ایک عیسائی گورنمنٹ کی حیثیت اور
 اور اسکے عیسائی افسروں کے مذہبی خیالات کے مطابق تھا۔ اور
 انگلستان میں ہندوستان کی کوشش نے ولایت کو یہ رپورٹ بھیجی کہ غرض

تدابیر ذریعہ میں جنکو کورٹ آف ڈائریکٹرس نے بالکل پسند لیا۔

لیکن ہندوستان کی مختلف مذہبی جماعتوں کی ایسی وسیع مقبوضات کا جو شاید نسلاً بعد نسل مختلف گورنمنٹوں کے خاص اور

قومی اہتمام میں تھے ذمہ دار مہتمم یا مینولیون کو سپرد کرنا ایک کارروائی بڑی اور سنجیدہ معاملوں سے یہ تھی اور اس کے

عملدرآمد میں بہت سی دشمنیاں اور بہت سا توقف حاصل تھا ایسے بہت سے وقفوں کے مہتمم دوسرے بنچتے اور جبکہ سر بیچ ملے وہ

بعض اوقات ناقابل یا اعتبار کے لائق نہ تھے۔ ہمت سی جاوید اور اراضی کے انتقال کی ضرورت تھی اور ان کے مالکوں کا آسانی

سے پتہ ہی نہ لگ سکتا تھا اور علاوہ اسکے کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت ضرورت تھی۔ مذہبی فنڈوں کا کثیر التعداد زر تو فیہ

سرکاری خزانوں میں جمع تھا اور اس قدر بڑی تعداد کا نقد روپیہ مندروں یا مہندوں کے حوالہ کرنا گویا ایسا اوقات پاک اور فقیرانہ

جماعتوں کو فضول خرچی اور عیاشی پر مجبور کرنا تھا۔ کیونکہ ان کو اس قدر کسی نفع کے کام میں لگانے کا سلیقہ نہ تھا اور نہ کوئی ایسا

جائز مقاصد تھے کہ چنبرہ اس قدر روپیہ کا ایک خرچ کر ڈالا جائے۔ بہ حال گورنمنٹ مستقل رہی اور اس وقت تک برابر کوشش لگتی

تھی جیٹک کہ تمام سلطنت کے اضلاع کے افسروں کی جانفشانی
کی اور منظامی واقفیت کی وجہ سے اراضی وقت اور وظیفوں کا
بندوبست اور شخصی اہتمام یا جماعت کے سپرد کرنے کی تدابیر
کلم و بیش خاطر خواہ تکمیل پا گئیں۔

تاہم گورنمنٹ کو جلد معلوم ہو گیا کہ ان تدابیر سے سب فرقوں
کی فربہی خواہشوں کی تشفی حاصل نہ ہوئی اور گورنمنٹ اپنی فربہی فرائض کو
جد کرنے کے قابل ہوئی کیونکہ ہندوستانی رعایا کے چند گروہوں
نے دونوں ہندو مسلمانوں میں یہ شکایت شروع کی کہ انگریزی گورنمنٹ
نے اس ملک کے وقفوں کے اہتمام کے انکار کرنے سے اپنا ایک
ضروری فرض حکومت ترک کر دیا کیونکہ ہندوستانی حکمرانوں کے
زمانہ قدیم سے دستور کے موافق یہ فربہ و فربہ تھی کہ وہ رعایا کو
اہتمام کریں اور یہ کہ علاوہ سرکار کے اور کوئی محافظ یا امین نہیں
مل سکتا جو ایسا نڈار اور نیر قابل اعتبار ہی ہو۔ اور یہ کہ خفیت کی نسبت
بہت اچھری اور غریب کے استعمال کے یا اراضی کے حقوق کے
بارے میں متواتر جھگڑے تھے اور گورنمنٹ نے لاپرواہی سے
اور سب سے بے فکرانہ کی تاہم نے خیر سانی تدبیر تباہ کر دی
کہ ان کے حقوق کے سب سے بڑا کیا جائے

کہ اپنے قدیم حق اور اپنے صاف فرض کے موافق اس کا خود فیصلہ
 کر دیتی اس درمیان میں وہ فریق جنگی رایوں کو عیسائی پادری پیش
 کرتے تھے اپنے فائدے کو دوسری طرف سے ہٹا کر رہے تھے۔
 اب گورنمنٹ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ جو بڑے مذاہب کی عمارتوں
 یا غیر عیسائی عقیبات کی ایجنٹ اور افسر نہ بنیں گی۔ لیکن اب تک سالانہ
 رقوم کثیر (جو ہم سے پیشتر کے حکام کی عطیات تھیں) مورتوں اور بتوں
 یا کافروں کی رسموں کی تائید میں سرکاری خزانہ سے بڑھتی رہی پس
 انہوں نے آئریل کمپنی کو التجا کے ساتھ یہ یاد دلائی کہ بت پرستی
 صرف بنی نوع انسان کے حق میں نہ رہی نہیں ہے بلکہ اس کی
 صریحاً یا ضمنی تائید یا امداد خدا کے کلام میں خدا کے برخلاف ایک
 سخت جرم ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ بڑا مقدمہ نظیر اجسپر فریقین نے
 صریحاً اور جہین گورنمنٹ کی کارروائی پر ہندو اور عیسائی نہایت
 بے طرفدار ہی سے اعتراض کرتے تھے جگنا تھ کے مشہور مندر کا
 مقدمہ تھا کیونکہ صوبہ کنگ کے (جہین کہ یہ مندر واقع ہے) اسحاق
 کے وقت جگنا تھ کی حفاظت کا برٹش فاتحوں نے اقرار صلیح کیا تھا
 اور اس وعدہ کے ایفاء کے واسطے برہمنوں کو قدریہ حوالہ کر سنے
 محال چند قطعات اراضی کے ایک سالانہ رقم کثیر دیجاتی تھی۔

مین یہ تجویز کی گئی کہ بالعوض اسکے چہرہ اراضی بطور عطیہ دوامی کے
 اونکو دیا جادے۔ اس تجویز پر بنگال کے ایک اعلیٰ افسر نے "مینٹ"
 لکھا کہ یہ صرف اون عیسائیوں کی چال تھی جو پر اسے نام عیسائی تھے
 اور حقیقت میں ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے تھے لیکن اسکے ساتھ
 ہی اپنے تئیں عیسائیوں کی لعنت ملاست سے اس طور پر محفوظ کرنا
 چاہتے تھے کہ دوامی وقف کے حیلہ سے اپنی زہر مورت کو چڑھائیں
 بجائے اسکے کہ سالانہ رقم ادا کرنے کی ذلت اور ہائیں "لیکن آخر کو
 اس تجویز کی یہ ہونڈی صورت قائم نہ رہی کیونکہ کچھ اراضی متعلقہ مندر
 بطور امانت ایک موروثی متولی کے سپرد کی گئی لیکن کبھی ٹاؤن شپ
 نے منع کر دیا کہ بڑے متوار و زمین پولیس انتظام کے لئے مندر
 کے اندر تعینات نہ کیے جاویں اور ساتھ ہی اسکے پادری ہماری
 بدقسمت گورنمنٹ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ "ہندو بت پرستی"
 کی نہایت خراب صورتوں کو ترقی دیتی ہے اور ایک بڑے
 بت پرست علمہ کی امداد کرتی ہے جس سے دماغی اور اخلاقی خرابیاں
 ہمیشہ کے واسطے جنم پکڑتی ہیں۔ غرض کہ لائی کر سچن فرقہ کو اس لئے
 تشفی نہوئی کہ گورنمنٹ مذہبی سرمایوں کی نگرانی سے کنارہ کش ہو گئی
 ہے۔ اوسکی اپ یہ خواہش تھی کہ یہ روپیے ہی مسدود کر دیے جائیں

(لیکن یہ نہیں کہ ان کے علاقے ضبط کر لیے جاویں) اور جب یہ
 تجویز کی گئی کہ عطیہ اراضیات کے ذریعے سے اوقات معینہ پر پورے
 تقسیم کرنے کی بدنامی سے گورنمنٹ پہنچی تو انہوں نے یہ طعنے دینا
 شروع کیا کہ اس سے تو ایسی خرابی قائم رہتی اور جڑ پکڑتی ہے جو
 جڑ پیر سے اوکھاڑ ڈالنی چاہیے۔ اسی وقت میں بہت سے ہندوستانی
 یہ غل مچاتے تھے کہ گورنمنٹ اپنے فرائض سے جھکتی ہے ہمارے
 مذہبی اوقات کی نگرانی سے انکار کیا کرتی ہے گویا انکو اتبریں میں
 ڈالی دیتی ہے۔ غیر کافی وجوہات کی بنا پر معمولی عطیات گم کرنے سے
 ہمارے اوقات کو مفلس بناتی ہیں اور حقوق اور ارفاق کی پوری پوری تحقیقات
 کے حیلہ سے ہمارے اوقات مذہبی کو ضبط کرتی ہے کیونکہ اہلک
 کی ایکوٹی اور کامن لا (یعنی انصاف اور عام قانون) کے موافق
 ایسے اوقات کے حقوق کی نسبت ایسی تحقیقات نہیں ہو سکتی ہے۔

بعد ازاں مذہبی ناقابلیتوں کی بحث کی وجہ سے اسی قسم کے
 مناقض اعتراض گورنمنٹ کی مکمل بے طرفداری کی خلاف ورزی ہو
 ہونے لگے۔ اعلاہ مدراس میں جہاں ہندوستانی عیسائی کثرت
 سے تھے ۱۸۳۳ء تک وہ پیشہ وکالت و عہدہ ہائے عدالتی اور فوجی
 خدمات سے قانوناً محروم تھے بلکہ اسکے اندرونی حصوں میں وہ لوگ

شرع محمدی کے پابند کیے گئے تھے اور تمام ہندوستان میں ان کے
 دیوانی کے حقوق کی تصریح کسی مجموعہ میں تھی۔ آئر لینڈ اور ہندوستان
 دونوں ملکوں میں حکمرانوں کے ہم مذہبوں کی تعداد کم تھی لیکن ان
 دونوں صورتوں میں مشابہت فقط یہیں تک تھی کیونکہ فرق یہ تھا کہ
 آئر لینڈ میں تمام ملک کے محاصل فاتح قوم کے مذہب کی اعانت میں
 خرچ ہوتے تھے اور رعایا پر جو تعداد میں زیادہ تھی تمام مذہبی
 ناقابلیتیں عائد کیجاتی تھیں۔ ہندوستان میں ہم اپنی رعایا کے
 کثیر حصہ کو اس فریضے خوش کرنا چاہتے تھے کہ تمام ملکی ناقابلیتیں
 رعایا کے اوس حصہ پر عائد کی گئیں جو قاتحوں کا ہم مذہب تھا یعنی
 ہندوستانی عیسائیوں پر ۱۸۳۳ء میں بنگال میں ایک قانون نافذ
 ہوا جس نے تبدیل مذہب کی وجہ سے جاہلاد کے نقصان کی حفاظت
 کی لیکن ۱۸۳۳ء میں بمبئی کے بشپ نے یہ امر پیش کیا کہ اوس کے
 ڈائریکٹس کے ہندوستانی عیسائیوں کی عدالتوں کے انگریزی
 صرف اس قدر حفاظت کرتی تھیں کہ ان کی ذات پر کوئی صدر نہیں پہنچتا
 لیکن بمبئی کے قوانین کے موافق نو عیسائی کو کچھ اور حقوق حاصل
 تھے۔ اس درخواست پر بعد غور کامل گورنمنٹ نے ۱۸۳۵ء میں
 ایک مسودہ قانون بنایا جس سے تمام ہندوستان کے وہ قوانین

و مر اسم منسوخ کیے گئے جنگی وجہ سے تبدیل مذہب یا ذات سے
 خارج ہونیکے باعث تبدیل کرنے والے کے تمام حقوق اور جاہداد
 زائل ہو جاتے تھے اس قانون کے برخلاف ہندو مسلمانوں نے
 معا در خواستیں بھیجیں جس میں یہ بیان کیا گیا کہ تمام ہندو رعایا اس قانون کو
 خوف و حیرت کی نظر سے دیکھ رہی ہے اور یہ کہ اس قانون کا منشا
 منشا مذہب ہندو کی بھگنی اور ضمنی طور پر بدعت و ظلم کا اجرا کرنا تھا اور
 حسب معمول درخواست لکھنے والوں نے ادب سے پوچھا کہ کیا یہی نپزل
 کمپنی کا اصول غیر جانبداری ہے " لارڈ ڈلہوزی (جو یہ سمجھتے تھے
 کہ سخت الفاظ ان کے ایجاد کیے ہوئے ایسے عجیب ہیں کہ سکے تھے
 کہ جو اوروں کو دینے کے لئے کہے لیکن اوروں سے لینے کے لئے
 کوٹے تھے) اس اصلاح کو بھی اپنے معمولی دینگ کارروائی کے ساتھ
 عمل میں لائے لیکن گورنمنٹ تیسرے ہی بہ نسبت پہلے کے اوس بندرگاہ
 کے قریب تر نہیں بھیجی جہاں کہ مذہبی ہواؤں اور موجوں سے محفوظ رہے
 اور ناقابلیتوں کی نسبت شکایت ہر طور پر رفع نہوئی کیونکہ کرنل ٹلسون
 نے نہایت متانت سے اس شکایت کو اوں شکایتوں کی فہرست میں
 میں درج کیا ہے جبکہ مسلمان آج تک ناراضگی کے ساتھ ہیں
 رکھے ہوئے ہیں۔

بجائے اسکے کہ اونہوں نے ساکن اور غیر مواج پانی میں پہنچائی ہو
 لارڈ ڈائونہی اپنی کشتی کو طوفان عظیم کے کنارے پر چھوڑ کر چلے گئے۔
 مذہب عیسوی کا گورنمنٹ کی جانب سے ہندو مت سے بدتر بیچ روار کہا جانا اور
 ہندوستان کے مسلم مذہبوں کے زمرہ میں اس کا داخل ہونا دین عیسوی
 کے پورے پورے مقلدوں کی بیباک رعایت اور مغربی رائے کی
 اوٹنی ہوئی معجز کے زور سے سرکاری جہاز کی روانی کا جھکاؤ اور کلی طر-
 ان تمام اسباب کے اجتماع سے نازک مزاج ہندو مسلمانوں کی جامعہ کو
 اپنی اغراض کے بارہ میں خدشہ پیدا ہوا۔ اونہوں نے دیکھا کہ ان کے
 عقائد کے قدیم اور غیر مشترکہ وغیرہ متنازعہ حقوق زائل ہوئے جاتے ہیں اور
 وہ صاف طور پر یہ نتیجہ نکالنے لگے کہ ان کے عیسائی کرنے کی غرض سے
 گورنمنٹ ان کے مذہبوں کی عمارتوں کے تلے سنگ لگاتی ہے۔ خیالات
 شہداء کے بلوہ و بغاوت کی بڑی شعلہ فشاںی سے پہلے چاروں طرف
 پہلے ہوئے تھے اور اونہوں نے ہندوستانیوں کے مزاجوں کو
 اشتعالک دینے میں بہت مدد دی۔ چنگاری لگتے ہی تمام ملک بہرین باخون
 اور مفسدوں نے یہ غل مچا دیا کہ ہمارے مذہب خطرے میں ہیں اور اس
 غل کو دور و دھتک لوگوں نے بچا لیا۔ ان تمام اشتہاروں میں
 ہر ایک نے اپنی سے عمارتیں بنائیں۔ ہر ایک نے کہا گیا کہ ہندوستان کے

مذہب کے برخلاف انگریز خلافت انصاف چالین کھیل رہے ہیں۔
 یہاں تک کہ وہ ہندوستانی جگہ وہاں سی لگنے والی ہوتی تھی مین صیو
 قبول کرنے کی استدعا کرتے تھے تاکہ اونکی جان بچ جاوے۔ اور اپنی
 درخواست کے نامعلوم ہونے پر متحیر ہوتے تھے۔ مذہبی غیر جانبداری کے
 معاملہ پر اس خونریز بلوہ کا قدرنی اثر ہوا۔ جس طرح ہے کہ جلتے ہوئے
 کانٹون سے آخر کار بڑے درختوں میں ہی لگ لگانی ہے اوسی طرح
 ہندوستان کے مذہبی جوش کے ظالمانہ اظہار نے اوس پرانے فرقہ
 پیوریشن کی بے اعتدالی کو نہایت خطرناک طریقہ سے پرورش کیا
 جو بیشتر انگریزوں اور اسکاٹ لینڈ کے رہنے والوں کے دلوں میں
 ایک خفیہ طور پر چھپی ہوئی تھی۔ اور جبکہ ہندوستانی میں غل بچاتے تھے
 کہ ایک دغا باز گورنمنٹ اونکو مذہب عیسوی میں پھنساتے ہوئے کہتی
 تھیں۔ مگر یہاں دیکھتے یہ کہتے پھرتے تھے کہ ہمارے خدا کا قدر ہمارا
 اون حکمرانوں کی وجہ سے قوم پر نازل ہوا ہے جو اپنے مذہب سے
 انکار اور اوسکی تذلیل کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تنک مزاج مسلمانوں
 نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ لیکن اوس کے ساتھ ہی یہ ہی یاد رکھنا چاہیے
 کہ عیسائی پادری کے ایک فرقہ میں اوسی خمیر کا تیز ذائقہ پایا جاتا ہے
 جس کے سبب مسلمانوں کے تقصیب میں وہ جوش آیا ہے جسکو بعض ملک

مذہب کے برخلاف انگریز خلافت انصاف چالین کھیل رہے ہیں۔
 یہاں تک کہ وہ ہندوستانی جگہ وہاں سی لگنے والی ہوتی تھی مین صیو
 قبول کرنے کی استدعا کرتے تھے تاکہ اونکی جان بچ جاوے۔ اور اپنی
 درخواست کے نامعلوم ہونے پر متحیر ہوتے تھے۔ مذہبی غیر جانبداری کے
 معاملہ پر اس خونریز بلوہ کا قدرنی اثر ہوا۔ جس طرح ہے کہ جلتے ہوئے
 کانٹون سے آخر کار بڑے درختوں میں ہی لگ لگانی ہے اوسی طرح
 ہندوستان کے مذہبی جوش کے ظالمانہ اظہار نے اوس پرانے فرقہ
 پیوریشن کی بے اعتدالی کو نہایت خطرناک طریقہ سے پرورش کیا
 جو بیشتر انگریزوں اور اسکاٹ لینڈ کے رہنے والوں کے دلوں میں
 ایک خفیہ طور پر چھپی ہوئی تھی۔ اور جبکہ ہندوستانی میں غل بچاتے تھے
 کہ ایک دغا باز گورنمنٹ اونکو مذہب عیسوی میں پھنساتے ہوئے کہتی
 تھیں۔ مگر یہاں دیکھتے یہ کہتے پھرتے تھے کہ ہمارے خدا کا قدر ہمارا
 اون حکمرانوں کی وجہ سے قوم پر نازل ہوا ہے جو اپنے مذہب سے
 انکار اور اوسکی تذلیل کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تنک مزاج مسلمانوں
 نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ لیکن اوس کے ساتھ ہی یہ ہی یاد رکھنا چاہیے
 کہ عیسائی پادری کے ایک فرقہ میں اوسی خمیر کا تیز ذائقہ پایا جاتا ہے
 جس کے سبب مسلمانوں کے تقصیب میں وہ جوش آیا ہے جسکو بعض ملک

اسلام کی خاص ہیئت ناک ممیز علامت خیال کرتے ہیں یعنی یہ کہ
 شہداء میں پادریوں کی مجلس نے ایک درخواست مرتب کی
 جس میں گورنمنٹ سے یہ خواہش کی کہ گورنمنٹ تمام معمولی امداد
 زربو غیر عیسائی معابدوں کو دیجاتی تھی ممنوع و مسدود کر دیوے۔
 ان سانکوں نے یہ حجت پیش کی کہ گوکافرون کے مندروں کی
 امداد از روئے عہد نامجات ہمپر لازم ہے لیکن ایسے عہد نامونکا
 مانع حکم اولیٰ عہد ناموں سے زیادہ تر قابل پابندی ہے کیونکہ وہ خدا
 کی طرف سے ہے اور اسکی خلاف ورزی بغیر خدا کے قہر کے نازل
 ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی مسئلہ نے پادریوں کے دلوں کو بھی
 وسوسہ میں ڈال دیا جو مسئلہ خیر خواہ سرکار لیکن کٹر مسلمانوں کو
 اوقات شبہ میں ڈالتا ہے یعنی یہ ضغطہ ایک جانب تو ایسا مذاری اور
 نیک نیتی کی صریح ذمہ داریاں دوسری جانب خدا کی ناراضگی کا
 خیال اور اس وقت کا جو حل گورنمنٹ کو اس درخواست میں بتایا
 گیا تھا وہ قریب قریب وہی بات تھی جسکو ہم اپنی رعایا کی جانب سے
 اگر ہو تو بغاوت کہتے ہیں یعنی بادشاہ کی فرمانبرداری کو دینیات کے
 تابع کرنا یعنی یہ اصول کہ ہمارا دوسرے مذہب کے لوگوں سے
 جدا کرنا اپنے مذہب سے انحراف کرنا ہے۔ خود کہہ دے کہ زمانہ

میں صرف پادری ہی وہ انگریز تھے جنکے ملکی مسائل اس رنگ پر تھے
کیونکہ گویا خاص گورنر و مشیران سلطنت پر اس قسم کے دلائل کا
اثر نہ پڑتا تھا اور ایسے جذبات اُنکو چومنین گئے تھے تاہم اوقیت
شمالی ہندوستان کے بعض حصوں میں انجیل اور تلواری کے ساتھ ساتھ
چلنے کی طرف میلان طبیعت کا اظہار ہوا اور لوگوں کا خیال اس طرف
مائل ہوا کہ مضبوطی کی تیز چہرہ ہی چلا کر غیر عیسائی اوقات سے گورنمنٹ
قطع تعلق کرے۔

جون جون وہ سورش جو بغاوت سے پیدا ہوئی تدریج گشتی
گئی توں توں اوس نازک حالت کی کشاکشی کم ہوتی گئی۔ لیکن اُن
سالوں کے واقعات نے غالباً ہماری گورنمنٹ کی خواہش کو مضبوط
کر دیا کہ ہندوستان میں مذہب اور سرکار سے کچھ تعلق نہ رہے۔
ہوم سیکرٹری نے اس بارے میں ایک جدید مراسلہ بیجا اور بہت
سی خط و کتابت کے بعد ۱۸۶۳ء میں وہ ایکٹ نافذ ہوا جس نے
حکام گورنمنٹ کو تمام اُن قوانین سے سبکدوش کر دیا جن میں مثلاً
یہ امور شامل تھے۔ مذہبی عہدہ داروں کا تقرر اراضی وقف کا انتظام
اونکی آمدنیوں کا وصول تحصیل مشرک عمارتوں کا تحفظ یا کسی اور منہج پر
ہندوؤں یا مسلمانوں کے امور دینی کا اہتمام۔ اس قسم کی تمام چیزیں

اور اوقاف قطعی طور پر اون شخص المقام امینوں اور کمیٹیوں کے
حوالہ کر دیئے جنکو ایک بار گورنمنٹ نے دوام کے لئے مقرر کر دیا اور
جسکے بعد گورنمنٹ نے اونکے نامزد کرنے یا کسی اور نہج پر اونکے معاملات
میں دست اندازی کرنے سے قطعی انکار کیا جو انتظامی روک ٹوک ان

امینوں پر رہی وہ اوس تدبیر سے مشابہ تھی جو آج بشپ کیرٹری
نے انگریزی پادریوں کے لئے اوس تجویز میں پیش کی تھی جو ہوسٹس
لارڈس میں ۱۸۶۷ء میں نامنطور ہوئی یعنی یہ کہ ہر شخص کو جسے کمنڈر
یا مسجد یا اوسکی پرستش یا اوسکی عبادت سے تعلق ہو اختیار ہے کہ عدا
دیوانی میں لیس یا مہتمم یا ممبر کمیٹی پر خلاف ورزی امانت یا فرائض
منصبی میں غفلت یا بد نظمی کی نالاش کرے اور عدالت دیوانی کو اختیار
ہے کہ فعل کی تعمیل مختص کا حکم دیوے یا خرچہ کی ڈگری دیوے یا کسی
شخص کو اوسکے عہدہ سے برطرف کرے۔ بعد ۱۸۶۳ء میں گورنمنٹ
نے وہ قانون جاری کیا جس میں گورنمنٹ نے یہ اعلان کیا کہ وہاں
قاضیوں کو مقرر کیا کریگی جس قانون سے سرکار کا برٹش انڈیا کی
ہندوستانی رعایا کے مذہبی معاملات سے قطع تعلق کامل ہو گیا
اوس وقت وہ تمام سول نا قابلیتیں دور ہو گئیں تھیں جو مذہب کی وجہ سے
عائد ہوتی تھیں اور گورنمنٹ شاید اس امید پر نازان ہوتی ہوگی کہ

۴
مجلس
مجلس
مجلس
مجلس

ہے جو وقت اور تین مغربی دین عیسائی میں حجت کی بیماری اور یورپ کے معقول پسندی کی تحقیق کرنیوالی رہنمائی کی سالہا سال کے اثر سے عرصہ تک گھل کر لاغر ہو گئی ہیں یہ خلاف اسکے اسلام کا صاف اور غیر مذہب کلمہ آخرت کی جانب خطہ تقسیم میں اسی طرح لیجاتا ہے جیسے کہ صرب بلندیار بغیر ذرا سے چکاؤ کے سید ہے آسمان کی طرف پلے جاتے ہیں۔ اسوجہ سے اسلام کی طرف وہ ہندو نہایت جلد راغب ہو جاتے ہیں جو متعدد دینوں کی نفسانی پرستش کی بھول بھلیوں سے باہر نکلتا چاہتے ہیں مگر جو بہ نسبت ان خیالات کے جو ہمہ از دوست یا ہمہ اوست کے مسئلہ کی نسبت خود اوستین کے مذہب میں موجود ہیں زیادہ تر صاف اور متین عقیدہ کے خواہشمند ہیں اور قوت و گرامر می اوس اعلیٰ پیغام کی جو ایسی نہایت قدمی سے حضرت محمد لائے سادہ لوحوں کے دلوں کو مسخر کر لیتی ہے اور جو صد دل سے حق کے متلاشی ہیں انکی قوت متخیلہ کو جوش میں لاتا ہے۔ ان آلات کے ذریعے سے ہندوؤں میں مسلمان اپنی سرحد کو وسعت دیتے ہیں اور وہ گروہوں کی رقابت جنگو گورنمنٹ نے ذاتی بہرہ و شہ چھوڑ رکھا ہے اور نہ جنگی اعانت کیجاتی ہے اور نہ مخالفت یہ انوکھا تماشا عنقریب دکھائی ہے کہ دو زیر دست اور پر زور مذاہب ایک دوسرے

[illegible]

لڑ رہے ہیں اور دونوں اوس سب سے بڑی متعدد مسود پرستی کا
 مستعملہ کرتے ہیں جواب تک دنیا میں باقی ہے اور جس کے نتیجے
 زوال کی وجہ سے نومرید کرنا کا وسیع میدان اعلیٰ تر مذاہب کو ضرور
 ملے گا۔ جبکہ فوجیں اس طور پر آراستہ اور مقابل میں ہیں تو وہ فریق جو
 جو واقعی جنگ میں مشغول ہیں بے تعصبی کے غیر طرفدار جہت سے
 اکثر بگڑ جاتے ہیں اور اوسکا احاطہ نہیں کرتے نہ فی الحال ہماری گورنمنٹ
 کی ایک زبان ہو کر سب تعریف کرتے ہیں کیونکہ گورنمنٹ نے ایک
 غیر طرفدار تماشائی کا روپ بہا ہے (اور وہ ایشیائی تماشگاہ میں ایک
 نرالا روپ ہے) اور گورنمنٹ صرف ترتیبی انتظام اور دنیوی ترقی کا
 پاس کرتی ہے۔ اس کا زوالی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مختلف بلکہ متضاد
 طریقہ خیال سے ہندو و مسلمان اور انگلستان کے عیسائیوں کے
 مختلف پرجوش سرگروہ ہماری غیر جانبداری پر ساتھ ہی ساتھ معترض
 ہیں۔ ان مختلف گروہوں میں سے کثرت اتفاق کی وجہ سے سب بڑا
 گروہ مسلمانوں کا ہے جنکی شکایتوں سے وقتاً فوقتاً انگریزی مصنفوں نے
 بہت ہمدردی ظاہر کی ہے اور ان شکایتوں کی جاندار تصویروں میں
 کینچی ہیں۔ لیکن میں ڈاکٹر ہنٹر نے ہندوستان کے مسلمانوں کی
 حالت پر ایک کتاب تصنیف کی۔ گورنمنٹ انگریزی پریس نے

لکھنؤ
 ۱۸۷۷ء
 ۱۸۷۷ء
 ۱۸۷۷ء

یہ الزام لگایا کہ اوسنے مسلمانوں کے اوقاف میں دیدہ و دانستہ خیانت
مجرمانہ کی اور یہ کہ اوسنے مسلمانوں کے قانونی افسروں یعنی قاضیوں کو
موقوف کر دیا کیونکہ متخاصمین کے تنازع پر ہائی کورٹ مدراس نے
یہ ڈگری دی کہ موافق شرع محمدی قاضیوں کا تقرر صرف سرکار کر سکتی
ہے اس فیصلہ کی بنا پر یہ حجت کیجاتی ہے کہ قاضیوں کا تقرر مسدود کرنے
کے ذریعے سے گورنمنٹ نے درحقیقت ایک ضروری مذہبی عہد توڑ دیا
ان سخت الزاموں سے کرنل رولوبو ناسولی نے بھی اپنے ایک سالہ
میں اتفاق کیا جس سالہ میں انہوں نے اپنے بہت سے آرگنل اور
چٹیان اس مضمون خاص پر یکجا کر دیں اور اقتباس ذیل سے معلوم
ہوگا کہ کرنل صاحب نے مذہبی غیر جانبداری کے دائمی محصور قلعہ پر کس
طرح سے گولہ اندازی شروع کی وہ کہتے ہیں کہ مذہبی بیطرفی کے
ہمارے مسلم اصول کی بنا پر یہی ہندو اور مسلمان یہ اعتراض کر سکتے ہیں
کہ کثیر التعداد حصہ اوس مالگزاری کا جو انکے عرق جبین سے حاصل
ہوتا ہے اون سرکاری گرجاؤں کے اخراجات میں صرف کیا جاتا ہے
جو محض عیسائیوں کے استفادہ کے واسطے بنائے گئے ہیں خواہ وہ عیسائی
سرکاری ملازم ہوں یا انہوں پر غلام اسکے ہندو اور مسلمانوں کی
چھاپا لگا ہوں یا اوسکے پنڈت اور مولویوں کے صرف کے واسطے

کوئی سرکاری رقم نہیں ملتی۔“

اب جانتا چاہیے کہ یہ رائے اس معاملہ میں انگریزوں کے خیالات کے موافق ہے اور یہی بلاتامل کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانیوں کی یہ رائے نہیں ہے کیونکہ اسمین ہکو ہر طرح کا شک ہے کہ اس قلیل عطیہ سالانہ کی نسبت جو ہندوستانی عیسائی گرجاؤں کو دیا جاتا ہے خود ہندو یا مسلمان کوئی اصولی اعتراض کرتے ہیں لیکن یہ بیان کہ کوئی سالانہ عطیہ ہندو یا مسلمانوں کے مذہب کے واسطے نہیں دیا جاتا تھا بیہرجمی کا چرکا ہے اور اس بات کے لیے کافی ہے کہ ہماری کجست گورنمنٹ مدتوں کی اس کوشش کو نامید ہو کر چوڑی بے جوہ غیر جانبداری کے سچے طریقہ کے واسطے کر رہی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں لہذا بعد نسل ہم پر کفر کا الزام اسوجہ سے لگایا گیا کہ ہندوستان کے ہر حصہ میں ہندو اور مسلمانوں کے اوقاف کا ہمنے اہتمام کیا اور سرکاری مالگذاری سے کثیر التعداد و قوموں کی تائید میں خرچ کی۔ اور صرف چندی برس گزرے کہ بیہی کے پادریوں کے جلسہ نے بہرے ہوئے غصہ کے ساتھ گورنمنٹ پر یہ بات ظاہر کی کہ جہانک ہکو واقفیت حاصل ہوئی ہے اس کے موافق صرف صوبہ بیہی میں اون مندروں یا ستون کی جکو سرکاری خزانوں کے عطیات سے و نیز دیگر وسائل سے جو زیر اہتمام گورنمنٹ ہیں

مردمیت ہے اونکی تعداد ۲۶۵۸۹ ہے اور یہ تعداد اون عیسائی گرجوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے جنگی مدد سرزمین برطانیہ میں گورنمنٹ کرتی ہے اور تمام عیسائی فرقوں کے گرجاؤں کی کل تعداد سے جو جزیرہ برطانیہ میں واقع ہیں شاید ہی ہو بلکہ کم نہیں ہے اگر ہر مجموعہ اطلاع ملی ہے تو احاطہ بمبئی میں سرکاری خزانوں سے ان مسدودوں اور ہونہر سات لاکھ روپے صرف ہوتے ہیں اور احاطہ مدراس میں اس سے بھی زیادہ یعنی آٹھ لاکھ چتر ہزار چھ سو اٹھتر روپے۔

۱۸۵۶ء میں تعداد اس زر توفیر کی جو مذہبی اوقاف کے نام سے احاطہ مدراس میں جمع تھی کئی لاکھ تھی اور ۱۸۵۹ء تک کل اخراجات کی سالانہ تعداد دس لاکھ روپیہ تھی ۱۸۶۲ء میں ایک زاہد نے سرکاری خزانہ سے دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ یافتنی خود کا دعویٰ کیا تھا یا وجہ دیکھ اوس نے اپنی درخواست میں اٹھارہ لاکھ روپیہ کی نشانی کیا تمام احاطہ بنگال و نیز دیگر صوبہ (مثلاً ناگپور و اودھ) میں جبکہ انتظام سپریم گورنمنٹ خود کرتی ہے اون عطیات کی تعداد جو بطور نقد یا جنس بنائیں مذہب دیئے جاتے تھے اور تیر ماہ یا دو سو فیصد کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان میں وہ متعدد جاگیریں شامل تھیں جو کہ ہندوستان پرین ہندو اور مسلمانوں کے معاہدوں کے تحت مخصوص کر دی تھیں ان جاگیروں کا ہندوستان و امی طور پر

اولن معابدون کے نام سے کر دیا گیا ہے جنکے وہ متعلق ہیں اور وہ
 لائراچی ہیں اور اسمین کچھ شبہ نہیں کہ ان جاگیر و کما تشخص سے
 بری کیا جاتا اس بات کے مساوی ہے کہ سرکار اونکے خرچ کے لئے
 اوس قدر امداد زر کرتی ہے جس قدر کہ اون سے مالگزاری حاصل ہوتی
 اگر یہ اراضی مذہبی خدمات کے لئے مخصوص نہ کر دی جاتیں۔ اصل تو
 یہ ہے کہ دنیا بہرین کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہان کی رعایا کے مذہب
 کی امداد کے لئے سرکاری محال سے ایسی اچھی کفالت کی گئی ہو
 جیسا کہ ہندوستان ہے تاہم کرنل لیس اخبار شمس کے ناظرین کو
 یقین دلانے ہیں کہ صرف چند متعدد چلمنون اور پادریوں ہی کے
 لئے ہندوستان کے کاشتکاروں کو عرق ریزی کرنی پڑتی ہے
 منقول الصدر عبارت سے اور نیز اسی قسم کے ایک اور فقرہ
 سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ کرنل لیس کی رائے میں کون سی
 مذہبی حکمت عملی حسن ہے کیا اونکی رائے ہے کہ مزید عطیہ زر کے
 ذریعے سے ہندو اور مسلمانوں کے اوقاف کی موجودہ کثیر التعداد
 آمدنی کا ہم اضافہ کر دیں یا اونکی یہ خواہش ہے کہ ہم اون تنخواہوں کو
 بند کر دیں جو ہمارے عیسائی افسروں اور سپاہیوں کی مذہبی
 کے عوض میں عیسائی پادریوں کو دی جاتی ہیں۔ انگلستان میں ایک

قوی فرقہ کے دل کو آخر الذکر تبسیر غالباً قابل پسند معلوم ہوتی ہے
 کیونکہ پارلیمنٹ نے وہ نقشبات طلب کیے ہیں جسے یہ معلوم ہو
 کہ عیسائی پادریوں وغیرہ پر اس قدر سالانہ روپیہ صرف ہوتا ہے
 اور انگریزوں کا فرقہ نان کنفرسٹ حسب معمول یہ تجویز کر رہا ہے
 کہ گورنمنٹ انگریزی پر یہ زور کیوں نہ ڈالا جائے کہ وہ ہندوستان
 کے گرجاؤں سے مطلقاً قطع تعلق کر لیں۔

برٹش فوج کے پادریوں کی تنخواہ دینے کی ضرورت تو غالباً
 قابل اعتراض نہیں ہے اور ہندوستان کے مختلف عیسائی فرقوں
 کے پادریوں کی سرکار سے عام مدد کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ
 اونسکے طریقہ حرج اسٹیشنمنٹ یا اونسکے متعلق اوقات پر بحث کرنیکا
 یہ مقام نہیں ہے لیکن یہ بات قابل گزارش ہے کہ اگر پارلیمنٹ
 ہندوستان میں مذہبی بحث (بقول فرقہ گلڈی) کو بالکل غائب
 کر دے تو اس اصول کے ماننے سے یہ لایہی طور سننے لازم آچکا
 کہ ایک زیادہ تر وسیع اور قابل غور سوال جلد یا دیر میں ہم مرض بحث
 میں آوے کیونکہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ عیسائی
 گرجاؤں کے اخراجات کیونکر بند کر دیئے جاسکتے ہیں سوائے
 اسکے کہ اس وسیع اصول پر کہ سرکار کا کام یہ نہیں ہے کہ کسی مذہبی

اصول کو ماننے یا اس کی اعانت کرے اور یہ کہ اون غمبھی مراسم کی
 مدد کرنے کو کسی شخص پر ٹکس لگائے جس سے اس کو احتراز ہے
 کیونکہ یو سپر در پردہ مذہب کے لیے ظلم کرنا ہے۔ بناید یہ اصول
 منطق کی رو سے درست ہو لیکن اس کا اطلاق جزوی طور سے
 کیونکہ ہو سکتا ہے عیسائیوں کو تہوڑی سی امداد و زبردینے پر ناراض
 ہونا ایک چوٹا سا چھڑ مارنا ہے جبکہ ہم ہندو اور مسلمانوں کے اوقات
 کے بڑے بڑے اونٹوں کو نگل جاتے ہیں اس بات سے کچھ بہت
 فائدہ نہیں ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے دل کی مذہبی خلش کو رفع
 کریں جو پروسٹنٹ لیشپ کی تنخواہ کے اخراجات کے ٹکس دینے
 سے ہے اور یہ بات رد کر کہیں کہ رعایا مورٹون اور اسلام کے
 واسطے بلا تفریق ابواب اور ٹکس دیوے اور شخص ٹکس دینے والے
 کے مذہب اور اس مذہب میں جنکے خرچ کے واسطے اس کا روپ
 دیا جاتا ہے ذرا ہی تعلق نہ ہو مگر انگلستان میں اس طریقہ کی تحریک ہونا
 کہ ہندوستان کی گورنمنٹ ہر مذہبی امر میں روپیہ خرچ کرنے سے
 باز نہ رہی جائے ہندوستانیوں کو عموماً پسند نہوگا کیونکہ لب لباب
 اون شکایتوں کا جو ہمارے مخالف ہندوستان میں کر رہے ہیں
 یہ ہے کہ ہمنے اونکے معاہدوں کی امداد موقوف کر دی ہے اس کے

ادقانون کی از سر نو تحقیقات کی گئیں تاحضیون کے تقرر اور انکے
 مذہبی مزہبی بننے سے انکار کیا اور جسے مذہبی اوقاف کی نگرانی
 بالکل ترک کر دی یا انکی اصلاح کی کوشش کی ہے۔

سچ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں کہ ایک غیر فدر گورنمنٹ
 کے مناسب فرائض منصبی کیا ہیں مشرقی اور مغربی راسے کا اختلاف
 درجہ انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ مغرب میں غیر فدراری سے مراد یہ ہے کہ
 سرکار کے فرائض منصبی بالکل امور دنیوی سے ہی متعلق ہوں۔ مذہب
 کی امداد کرنے کا اصول عموماً پسند کیا جاتا ہے اور مذہبی اوقاف کا
 مسدود کرنا فائدہ عام پر منحصر ہے۔ مشرق میں یہ تمام خیالات بالکل
 نئے ہیں اور ان تمام مختلف قسموں کی نئی شراہوں میں جسکو ہم
 پرانی بوتلوں میں ڈال رہے ہیں ہندوستانیوں کے ذائقہ کے
 خلاف اور طبیعت کے ناگوار اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔
 ہندوستان میں اس دشمنی کا خیال ہی نہیں ہے جو انگلستان میں
 بوجہ وضع قوانین خاص پیدا ہوئی ہے جن قوانین کا منشا ہر ایک کے
 مذہب کا یکساں ہونا اور مذہبی تعلیم کا حسب قاعدہ مقرر ہونا تھا اور
 بوجہ ان قدیم کوششوں کے جسکا منشا یہ تھا کہ مختلف فرقے مثل
 بیٹروں بکریوں کے ایک گلہ میں ایک سرکاری چرواہے کی نگرانی

جنگ عقائد سے اوسکو اختلاف ہے، انگلستان کے مفلس و یتیم بچوں کے تنازع کی نسبت کہیں ایشیا کا رہنے والا اون سے اوسى طرح فیصلہ کریگا بطرح حضرت سلیمان نے اون دو عورتوں کا فیصلہ کیا تھا جو ایک بچے کے قبضہ کے لیے جھگڑتی تھیں۔ لارڈ سائبرى وہ عورت ٹھہریں گے جس نے یہ بات پسند کی تھی کہ اوس بچے کو دوسرے دیدین اور اوسکو مرنے ندین اور نان کا نفر مست وہ عورت ہوگی جس نے یہ پسند کیا تھا کہ وہ اوس بچے کو مرنے دیگی اور اپنی موت کو نزدیکى۔ بلاشبہ اس مشکل میں سے ہندوستان کی گورنمنٹ کو نکالنے کے لیے کچھ حضرت سلیمان کی سی عقل درکار ہے تاکہ وہ دل کمانے کے پہاڑ سے ٹکر نہ کھا جاے۔ ہم مثل اوس شخص کے ہیں جو یہ چاہتا ہے کہ ایک دم سے اپنی گھڑی میں دو مختلف خطوط طول بلد کے مطابق وقت صحیح رکھے گرنچ کے خط نصف النہار کی رو سے سرکار کا مذہب سے تعلق رکھنا اور سرکار کی طرف سے اوقات کا معزز کرنا ایک منسوخ طریقہ ہے، وہی کے خط نصف النہار کے مطابق ملک کے مذہبی مسابدون سے سرکار کا قطع تعلق بہت ناراضگی کا باعث ہوا ہے اور بلاشبہ وہ تقون کا ضبط کر لینا بہت دیوتاؤں کو اور مذہب کے پیروں کو دو ٹوٹا ہوگا۔ حال میں یہ بات بیان کی گئی ہے اور اسے

بیان کی گئی ہے کہ انگریزی گورنمنٹ نے تمام ممالک کو اچھی طرح سے
 سمجھنے کی وجہ سے عجائبات سے کام کیا جبکہ اوس نے اوس قدیم
 و زنجیر کے توڑنے کا ارادہ کیا جس سے مذہبی معابد اوس صوبہ کی
 گورنمنٹ کے قدموں سے بندھی تھی جبکہ وہ صوبہ لیا کیا گیا اور
 کارروائی سے ہمنے اپنے تین پانی دنیا کے خیالات کی بلا سے چڑا کر
 وہ نیکنامی اور سرداری کو دی جو ہندوستان کے بادشاہوں کو
 حاصل ہوتی تھی جبکہ تمام مذہبی عہدوں کے تقریراء، عابد و قضا
 کی وراثت کے لئے انتخاب اور اسکی منظوری درکار ہوتی تھی یا کو
 منجانب تصفیہ قبول کیا جاتا تھا اور اس امر میں اوسکے انتخاب و
 حکم کو تمام لوگ پسند کرتے تھے ”صوبہ مدراس میں سات ہزار
 چھ سو ہندو معابدوں کی نگرانی اوس وقت تک گورنمنٹ افسروں
 کے سپرد تھی اور یہ نگرانی صرف برائے نام تھی بلکہ رعایا اپنے
 ضلع کے افسر کو اپنے مذہب کا دوست و محافظ خیال کرتی تھی
 نسبت اوس ناراضی کے جو شمالی ارکاٹ کے ایک مشہور مندر
 کے انتظام کے ترک کرنے سے رعایا کو گورنمنٹ سے ہوئی
 مجسٹریٹ ضلع نے یوں لکھا ”سجھانے بوجھانے سے اوسکے
 ارادہ میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی وہ لوگ کہتے ہیں کہ مدون سے

اس مندر کا بند و بست حاکم وقت کے اختیار میں رہا ہے یہ آپ
 کی جدید تجویز دستور کے خلاف ہے اگر آپ اس پر اصرار کریں گے تو
 ہمارے مندر میں بھی پوچھا صرف ہو جائیگی۔ یہیں شبہ نہیں کہ
 اس تغیر کے نتائج کی نسبت لوگوں نے بہت مبالغہ کیا لیکن
 مذکور الصدیق عبارت سے اس معاملہ میں اونکی رائے ظاہر ہوتی
 ہیں اور یہ بات بھی بھولنی چاہیے کہ مذہبی عہدے اور عابدین علیٰ اہم
 اوس خاص میلان کی پابندی میں جس سے کہ ملک بہر میں عام حقوق
 اور مراعات و البستہ میں یعنی بیشتر حصہ اونکا خدمت کے صلہ میں
 قابل اور اشت عام مقبوضات خاندانی خیال کیے جاتے ہیں اور ہم
 باستثنائے کسی خاص ضروری صورت کے اونکے مقررہ سلسلہ وراثت کو
 تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کر سکتے یہاں تک کہ قاضی کی غیر مذہبی
 خدمات بھی مورد وثیق ہو گئی تھیں اور سرکار کی طرف سے اونکا تقریر
 ایک ضابطہ کی کارروائی تھی قبل اسکے کہ ایک ضابطہ کا نفاذ ہوا
 بلکہ اوس سے بھی پیشتر سے جبکہ انگریز ہندوستان کو مسلمانوں کی
 مرہٹوں سے لیکر اپنے قبضہ اقتدار میں لائے یہ نتیجہ نکالنا فاش
 غلطی ہے کہ قاضیوں کے تقریر کی مسدودی سے ہماری مسلمان
 رعایا تکلیف سے اویسی طرح اذیت پائی جس طرح سے کہ زمانہ متوسط

میں ناقابل عیسائی ملا عقد نکاح کو مذہبی نفاذ کی اجازت دے دے۔
 بازرگے کیے گئے تھے۔ ایسا خلط بحث خیالات کا ایسا مصنف کی
 جانب سے دراصل نہیں ہو سکتا ہے جسکی اعلیٰ درجہ کی استعداد مسلم
 اور جو قابل منشی ہو مگر ہر جانشینی اور انتہا کی منظوری کے ضابطہ
 کی کارروائی بدستور چلی آتی تھی اور اسکا مسدود کرنا قاضی کا کفار
 سے قطع تعلق تھا بلکہ قاضی کے مرتبہ کو کم کرنا اسکی عزت میں بڑھ لگانا تھا
 اور اس کے عہدہ کے قیام کو جو غیر قابل حجت تھا کم کر دینا تھا بلاشبہ
 ان باتوں کا اثر دلپہر ہوتا ہے اور یہ امر بحث طلب ہے کہ گورنٹ
 کی اس پالیسی کی کافی و ضروری وجوہات تھیں جسکے سبب اس نے
 مذہب اور سرکار کے اس قدر فی اور قدیمی رشتہ کو منقطع کیا کیونکہ
 اس ضابطہ کی کارروائی کے مسدود ہونے سے قاضیوں کا اختیار
 بھی کم نہیں ہوا بلکہ لوگوں کی توجہ اس طرف ہی مبذول ہوئی کہ عیسائی
 حکمرانوں کی ہاتھی میں ایک مسلمان جماعت کا ہونا ایک انوکھی بات ہے
 اس کے سبب سے وہ خارج پیدا ہوئے جنکو پھر صاف کرنا چاہیے۔
 اس بات سے کہ ہم اس ملک کے بعض حوین مسلمان بادشاہوں کے
 جانشین ہو گئے تھے یہ کو یہ ہوشیاری لازم تھی کہ ہم ان کے اچھی طرح
 سے قائم مقام بنے اور جانتک کہ ممکن ہو ان کے کاموں کو جاری

رکتے برخلاف اسکے کہ ایک ایسا نفس کشی کا حکم جاری کرتے جسے
 ہیکو اوں حق سے محروم کیا جو یہ مسلمان بادشاہ اپنی حکمرانی کا ایک
 جز و تصور کرتا ہے ہماری ملکہ معظمہ کے یہ کام عظیم الشان مشرق باجگذا
 ہے "مسلمانوں کی کثیر ترجاعت پر بہت سلطان عثمانیہ کے
 حکمران ہئے ہماری حکمت عملی یہ ہے کہ ہم ثابت کریں کہ ہم اس وسیع
 سلطنت پر نازان ہیں اور ہم اپنی مسلمان رعایا کو یہاں تک سر بلند
 کریں کہ وہ بھی اس بات کا فخر کرنے لگے کہ وہ ایشیا بہرین
 سے قوی بادشاہ کی ماتحتی میں رہتی ہے۔

لیکن اس پیچیدہ مباحثہ کے واسطے زیادہ جگہ چاہیے بہت
 اسکے کہ بیان ہیکو مل سکتی ہے اسباب میں ہمارا یہ مقصد تھا کہ ہم ان
 متزلزل باتوں کا ذکر کریں جو موجودہ صدی میں ہماری ہندوستانی
 مذہبی حکمت عملی میں واقع ہوئیں، بعض غلط فہمیوں کو درست کریں جو
 ہماری اون کوششوں کی بنیاد تھیں جو ہم نے ایشیائی باتوں کے
 ساتھ اپنے تعلقات کی درستی کے لئے یورپ کے جدید اصول پر
 کارروائی کرنے میں کین شروع شروع میں ہم نے ہندوستانیوں
 کے خیالات سے بنیاد کو خوش کرنا چاہا یہاں تک کہ ہم نے ان
 میرا ہم اور دستورات کا سرکاری ادب اور سجاوٹ کیا جو ان مقامات

یورپین طریقہ خیال سے نہایت بُرا تھا اور ہیکو اس بات کے ثابت کرنے کی حد سے زیادہ فکر نہی کہ ہم دین عیسوی کی طرف داری کرنے سے جو کہ پولٹیکل طور سے کچھ ضروری نہی اس ملک کے قومی مذاہب کے نا ملائش کر نیکا خیال نہیں کہتے۔ یہ بات حد سے زیادہ بڑھ گئی اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ یورپین ہم سے ناراض ہو گئے پس ہم دوسری طرف اس قدر جھک گئے اور ملک برطانیہ کے مذہبی پولٹیکس کی بیانتہا تقلید کی کہ یہ شکایت ہونے لگی کہ انگریزی گورنمنٹ نے تمام مذاہب کی نسبت غیر طرفداری وغیر ذمہ داری کے اصول اختیار کرنے کی کوشش میں ہندوستان کی مراہم اور مذہب کے دنیوی اعزازوں اور اون قدیم حقوق پر کافی ملاحظہ کیا جو بادشاہ ملک پر واجب ہیں گو بادشاہ کوئی ہو۔ اور اگر ہندوستان کی رعایا کی علی العموم یہ رائے ہے کہ ہندوستان کی گورنمنٹ کو اونکے مذہبی کارخانوں اور وقفوں کی نگرانی سے قطعی طور پر قطع تعلق نہ کرنا چاہیئے تو اس بات سے اونکو کچھ تسلی نہو گی کہ عیسائی مراہم کے سرکاری امداد کے منع کرنے کو پالیسیٹ تیار ہے۔

اگر عیساکہ شبہ کیا جاسکتا ہے ہم لوگوں نے کبھی کبھی ان معاملات میں مذہبی امور کے اوس کامل بطور فدا رے کے صحیح معنی سمجھنے میں غلطی

کی ہے جو کہ نہایت درست طور پر ہماری حکمت عملی کا لب لباب سمجھی
 جاتی ہے تو اس کا غالباً سبب یہ ہے کہ ہمارے جہکڑے کی باتوں کا
 اثر پڑا ہے جو ایک مختلف پولیٹیکل حالت میں ولایت میں چلی آتی ہیں۔
 انگلستان میں طرح داری کے یقین دلانے کے غالباً یہ معنی ہونگے کہ
 گورنمنٹ نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ وہ کسی فرقہ کے دنیوی یا روحانی
 معاملات سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں گے ہندوستان میں اس اعلان
 کے معنی اس طور پر سمجھے جاوینگے کہ یہ پسندیدہ ذمہ داری کی گئی ہے
 کہ ملکہ معظمہ ایک مذہب سے زیادہ رعایت دوسرے مذہب کی نگرانی
 لیکن یہ اعلان اس قدر پسندیدہ نہوگا اگر اس سے یہ مراد لیجائے کہ
 ہندوستان کے حکمران ہندوستانیوں کے مذاہب کے دنیوی
 اغراض کی سرپرستی یا نگرانی سے یک نخت دست کش ہو جاوینگے
 اس قسم کی کارروائی تمام اس تاریخی تجربہ سے باہر ہے جو ہکو
 ایشیا بھر کے دنیوی اور مذہبی سرپرستوں کے باہمی تعلقات کی نسبت
 حاصل ہے شاید انگریز ہندوستانیوں اب یہی طریقہ اختیار کر سکتے ہیں
 لیکن تمام بڑی ایشیائی گورنمنٹوں اور بہت اور مختلف ذاتوں اور
 قوموں کے حکمرانوں کی نظیر کے مشابہہ سے ہم ایک اور قاعدہ
 نکال سکتے ہیں یعنی یہ کہ بعض حالتوں میں بادشاہ کا اور قومی مذہبی

اغراض پر بلا توسط حکومت اور بخوبی نگہ رانی کرنا جس سے کہ اوسکو ہر
 قدم پر کام پڑتا ہے ایک ملکی مصلحت کا معاملہ ہے مسئلہ مسائل کا
 معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ سرکار کا ایک مسلم فرض ہے۔ اس حیثیت کا پورا پورا
 ایک طرح سے اہلی پولیٹیکل فائدہ کا ترک کر دینا ہے جو ہمارے کل
 بیطرفداری کے اصول سے چلن ہوتا ہے یعنی یہ کہ ہم تمام فریقوں
 کے مذہبی اہتمام کی نگہ رانی اور ذمہ داری بالکل غیر جانب داری اور اپنی
 رعایا کے اعتماد کے ساتھ کر سکیں۔ بلاشبہ اوس پڑنے طریقہ کے
 موقوف ہونے پر افسوس کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جسکے موافق
 سرکاری افسر مذہبی کارخانوں کے اسم باہمی مینجر اور ایجنٹ تھے۔
 یہ طریقہ صحیح طور سے متروک ہوا لیکن مذہب اور گورنمنٹ کے درمیان
 تمام تاریخی رشتوں کا کاٹ دینا اور حاکم وقت کی سخت سے تمام ایشیائی
 مذہبوں کو نکال لینا ایک اصول کو ہندوستان میں حد سے بڑھا دینا
 جہاں نہ تو وہ سمجھا گیا ہے اور نہ کوئی اوسکا طرفدار ہے اور نہ ابھی کسی
 یورپ کے ملک میں اوسکے رواج دینے کی ایسی کوشش کی گئی جہاں
 کہ اوسکا طرفدار ایک بڑا فریق ہے جسکی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

ہندوستان میں مذہب کی حالت

(۱۸۷۷ء میں مضمون سالہ فوٹ نائٹلی ریویو میں شائع ہوا)

کوئی شخص اس غیر معمولی مذہبی ابتری کو جو ابھی تک سارے
ہندوستان کے وسیع برعظم میں پھیلی ہوئی ہے توخسکے ساتھ
تفتیش نہیں کر سکتا بغیر اس امر کے جاننے کے کہ یہ ابتری ہندوستان
کے سوشل حالت کی ایک نہایت خاص ممیز علامت ہے۔ کیونکہ نگار
کہ ابتدائی وحشیانہ بت پرستی مع اپنے تمام بے رابطگی کے جو خصوصی
ترکیب و نیز برتری خیالات میں قاصر و نامکمل تھی کئی سو برس ہوئے
کہ یورپ اور تمام مغربی ایشیا میں تمام و کمال ہندم ہو گئی لیکن
جہاں کہیں اور جب کہیں ہم اس سرحد کے آگے بڑھتے ہیں یا ہندوستان
کے کنارہ پر اترتے ہیں تو ہم کو وہ تمام باقیہ نگہوں سے نظر آتی
ہیں جنکا تذکرہ ہم قدیم کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم

نہیں بنی گئیں جو یورپ یا مغربی ایشیا کے میدانوں میں لڑائی لگیں۔
 گو جنگ کے امتحان کے ذریعہ سب لوگوں نے ان امور کے فیصلہ
 کے لیے سخت کوشش کی ہے کہ وحدہ لا شریک کا کونسا کلام سچا
 ہے اور کانی کون تھا اور اس کے کلام کے کیا صحیح و معتبر معنی ہیں۔
 لیکن نو اسلام کی تلوار نے ہندوستان کو تمام و کمال کہی منلو
 نہیں کیا اور گو ایک طرف جزو اسلامان ہوا لیکن متواتر مقابلہ سے
 اس کے کارخانوں کا ڈہانچہ بگڑ گیا۔ مسلمانوں نے مذہب ہندو کو بی
 کر دیا لیکن اور اس کے عوض میں کوئی جدید مذہبی سلسلہ قائم کرنے میں
 کامیاب نہیں ہوئے جیسے کہ اور ملکوں میں وہ ہوئے تھے۔ ماون فوجی
 قسمت آزمائوں کو جنہوں نے شمالی ہندوستان میں شاہی خاندانوں
 کی بنیاد ڈالی اور دکن میں بادشاہتیں قائم کیں روحانی معاملات
 کی طرف نہایت کم توجہ تھی۔ اونین اکثر دن کوئی واقعہ تو مرید بنانے
 کے واسطے وقت و فرصت نہی کیونکہ وہ ہمیشہ غیر ملکوں کی فتح یا
 خانہ جنگیوں میں مشغول رہتے تھے۔ یہ لوگ عموماً غیر مذہب تاملری یا نخل
 تھے۔ وہ خود حضرت محمد کے مذہب میں پکے نہ تھے اور اونین و پوٹھی
 سرگرمی چو لگتی تھی جس نے عرب کے پہلے پہل علم اسلام کے اور ہاتھ
 والوں کے دلوں میں جوش نہ ہی پیدا کیا۔ جو سلطنت اونوں نے

قائم کی وہ محض جنگی تھے اور ان کی فتوحات کی ادبوری کامیابی اور
 ان کے مذہبی حملہ کی کسی قدر ناکامی نے اس جنگی سلطنت کو اسی
 حالت میں رکھا۔ ان کو صرف اتنی طاقت حاصل تھی کہ ہندوؤں میں مذہبی
 اجتماع کی مانند کوئی چیز پیدا ہونے میں اور جگہوں کو جمع ہو کر قومیں
 بننے سے روکین لیکن ہندوستان کو مسلمان کرنے سے وہ اس قدر
 دور تھے کہ خود مسلمانوں ہی میں ان کے اعتقاد نے ملکی انتظام کے
 اعلیٰ عہد و نکا پورا اور بلا شرکت غیرے اجارہ حاصل نہیں کیا۔ وہ چند
 صدیوں تک صرف اسی شخصی سلطنت قائم کئے میں کامیاب رہے
 جس کا انتظام چند بڑے بڑے افسر کرتے تھے اور جس کو یکزاری اور
 وہ ہزاری پشتینی فوجی افسر گھیرے ہوئے تھے جو بادشاہ کی جانب سے
 بجلد وی خدمت جاگیر میں حاصل کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ خود تخت
 شاہی بھی مشکل سے موروثی کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس کی نسبت بار بار
 نہایت کامیابی سے جگہ بگہا ہوتا تھا اور وہ ایک خاندان سے دوسرے
 خاندان کے قبضہ میں آجاتا تھا۔ ایسی سلطنت جیسی کہ یہ جو گہڑیں اور
 بیرونجات میں بالکل زور و جنگ کی قسمت آوہانی پر خستہ رہتی تھیں جانی
 اثر وں سے مبرا رہی ہوگی کیونکہ ایسی حکومت کا کل انتظام مذہبی نشوونما کو
 روکنے والا تھا اور مذہبی موافقت کو نہ پیدا ہونے دیتا تھا اور فی الواقع

یہی ہندوؤں کی
 مذہبی سلطنت
 ہے

ہندوستان کے مسلمانوں میں اوبن کا مذہب امور مملکت میں کبھی
 قوت پر نہ تھا۔ وہ بڑے مذہبی جماعت علماء کی جو سلطنت عثمانیہ کی عمارت کا
 ایک رکن بن گئے تھے وضع قوانین و تعبیر روایت و ہدایت مرام
 و فرائض دینی و انتظام اوقات کے ذریعے اور دیگر نبج پر اپنے
 مسلم اختیار کے صریح اظہار کے ذریعے دنیاوی حکمران کے تحت
 نہیں بلکہ اس کے ہم رتبہ تھے یہاں تک کہ ایک زمانہ میں تخت نشین ہمشیر
 علماء سے خائف رہتا کیونکہ ان کے مقابلے کے موافق بادشاہ تخت پر
 بٹھایا جاتا یا تخت سے اوتاراجاتا تھا۔ جب سلطانوں کی فوجی سرگرمی کم
 ہوتی علماء کی قوت کو ہمیشہ ترقی ہوتی اور اب تک بھی علماء کا بہت عرب
 داب ہے اور ان کا سردار شیخ الاسلام ٹرکی کی پریمی کو نسل کا ممبر ہے
 اور اس قانون کے معنی بیان کرتا ہے جسکی پابندی بادشاہ اور رعایا
 دونوں پر واجب ہوتی ہے۔ لیکن جب انگریزوں نے ہندوستان
 میں شہنشاہی پائی تو علماء کی مانند کوئی گروہ یہاں نہ پایا اور نہ کبھی ایسی
 سبیرانون میں تگی ہوئی تو ان کا پتا ملنے یہ معلوم پڑتا ہے کہ کبھی ہندوستان
 میں اعلیٰ درجہ کے عروج میں ہی مسلمانوں کی حکومت نے ایسا رنگ
 پیدا کیا جس سے اس کے اصول مذہبی کی رقتہ رقتہ صلحہ عمارت قائم
 ہو گئی ہو یا جس کا اثر دیرپا رہا ہو انکی مذہبی جماعتوں کا کبھی انتظام نہیں کیا گیا

اور نہ کبھی اوسکی مقررہ اعانت بشکل ٹیکس اور عشر منجانب مومنوں کے
 ہوئی کیونکہ گو بڑے بڑے عطیات اور جاگیریں عبادت اور خیرات
 کے واسطے دی گئیں مگر کبھی ہم نے کسی بڑے مدرسہ یا متفق مجمع
 کی بابت نہ سنا کہ اوسنے شرع کی تشریح کی ہو یا اوسکی پابندی
 کرائی ہو۔

اگرچہ مسلمان کبھی اس لائق نہ تھے کہ اپنے مذہبی مراہم کو ہندوستان
 میں قائم کرتے اور اونکو ترقی دیتے جیسا کہ اونہوں نے اونجا ملک
 میں کیا جنگوں اور اونہوں نے بالکل اپنا مفتوح کر لیا تھا۔ لیکن ہندوستان
 کے اہلی اماموں (یعنی برہمنوں) کے اختیار کو گٹھانے اور درم برہم
 کرنے کو اقل درجہ کافی قوت رکھتے تھے۔ چاہے جو کچھ برہمنوں کی
 امامت کا زور کسی زمانہ میں رہا ہو لیکن یہ یقینی امر ہے کہ مسلمانوں
 کے عرصہ وراثت تک تسلط اور اونکے نو مسلم کرنے کی کامیابی نے
 برہمنوں کے عوام الناس کی نگاہوں میں عزت اور شہرک و حب و اب
 کو بہت کم کر دیا ہو گا۔ اونکی کسی قسم کی امید کہ وہ لوگ آخر کار مذہب
 ہندو کو کسی اعلیٰ تر درجہ اعتقاد پر پہنچا دیں گے غیر ملک کے باشندوں
 کی فتح کی وجہ سے باطل و منتشر ہو گئی ہوگی۔ چنانچہ کہ اون دیر پاتا ہن
 جنگوں اور پوپٹل فسادوں کا اثر جیسے کہ مسلمانوں کے عہد کی تاریخ

بہری ہوئی ہے یہ تھا کہ تمام مذاہب منتشر و تباہ حالت میں ہیں کل
 دوران سلطنت اسلامیہ میں وہ مذہبی لاپرواہی پائی جاتی ہے جو بلحاظ
 مسلمانوں کی تعدی پسند حکمرانی کے قابل تعجب ہے۔ اکبر جو سب سے
 بڑا بادشاہ ہندوستان کا ہوا ہے معقولہ تھا اور مذہبی معاملات میں
 اس درجہ تک متحمل و بردبار تھا کہ جس سے ہندوستان میں مذہب
 اسلام کی عام کیفیت اور اس کیفیت کے مقابلہ میں جو اسی زمانہ
 میں اوسکے اور ملکوں میں تھی صاف فرق پایا جاتا ہے۔ اور گنگیہ
 کامیاب ریچرڈ سوم تھا اور اسکی ظاہر داری اور روٹی چال نے
 سخت حاصل کرنے کی بندش میں مسلمانوں سے کام لیا لیکن اسکی
 پارسائی کے افعال نے مذہبی جوش زیادہ تر اس کے خلاف نہاد
 موافق پیدا کیا جب اپنے خلع میں انتقال کیا تو ایسی سلطنت
 میں بڑی ابتری اور عجبابی واقع ہوئی جو زور و قوت پر مبنی تھی اور
 کوئی رشتہ اتفاق نہ تھا جو زیادہ چکھار اور یکا مک ٹوٹنے کے کم
 قابل ہوتا اگر ہم مسلمانوں کی کمزور اور نامکمل اسلامی محبت کو مستثنیٰ
 کر دیں۔ ان واقعات کی ماہیت اور نتائج کا جو برٹش حکومت کے
 پیشتر واقع ہوئے شاید شاہی کافی طور سے تخمینہ کیا گیا ہے۔
 (ایسی پوٹیکل پمپنی کا ایک زمانہ درمیانی آیا جو زیادہ عظیم اور زیادہ

یہ سب باتیں اس کتاب میں
 مذکور ہیں اور ان کے
 نتائج کو دیکھ کر
 اس کی ضرورت اور
 اہمیت کا اندازہ
 کیا جاسکتا ہے۔

عالمگیر تھے بہ نسبت اوسکے کہ ہندوستان کے براعظم نے صدیوں سے
 کبھی ہگتھی ہو تب افتادہ لاش کی چیر ہاڑ اور فوج کھسوت ہونے
 لگی اور ایک کہلی جنگ ہوئی جسکا سوائے لوٹ کھسوت یا ایصال
 مالگزاری کے بہت ہی کم کوئی مقررہ غرض و مقصد تھا پہلے پہل
 مرہٹے کیشان پر محوش اور غیر محتاط گر لے افسر تھے اونکو ذات
 یا مذہب کے حکیمانہ خیالات کی اوس سے زیادہ پروا تھی جتنی کہ ان
 ترکمانوں کو تھی جو باریانادر شاہ کے جہنڈے کے ساتھ آئے
 تھے یا اون مختلف مذاہب یا اقوام کے قسمت آزمائوں کو تھی جو
 بنگال یا دکن میں سلطنت کی لوٹ پر لڑ جگڑ رہے تھے یہ امر قابل
 ذکر ہے کہ جنگجو مرہٹوں کی حکومت میں جو جابرانہ حملوں اور لوٹ
 مار پر قائم تھی اٹھارہویں صدی کے قریب کل اختیار ایک بہمن
 خاندان کے ہاتھ آ گیا تھا یہ بہمن پیشوا صرف فوجی سردار تھا جو
 بذات خاص فوج کی کمان لیتا تھا بلکہ اوسکی مرہٹھی فوج کے بیشتر افسر
 برہمن ہی تھے اور چونکہ مغربی برہمن بلجاظ اپنی عادات اور پیشہ
 جسمانی بہرتی اور مضبوطی کی نسبت ذہنی اور علمی قابلیت کے لیے
 زیادہ مشہور ہیں اونکا یہ سپاہیانہ کایا پلٹ ثابت کرتا ہے کہ کتا
 اوس زمانہ کا جنگی جوش پروہتا ئی اور خاندانی رسم پر غالب آ گیا تھا۔

دکن کی
 مرہٹوں کی
 فوج کی
 تاریخ
 ۱۱

اس طرح گزشتہ صدی کے آخر میں ہندوستان عام ایکساں
 مذہب سے اوسی قدر دور تھا جیسا کہ پہلے کہی تھا اور جس طور پر ہندوستان
 میں قومیں تھیں اسی طور پر ہندوستان کے کل براعظم کے صوبہ یا
 خطے میں وہ چیز تھی جسکو ہم یورپ میں ایک معین اور تہذیبی قومیت
 کہتے ہیں یہ فرض کر لیا جاسکتا ہے کہ قوموں کا بننا مذہبی اعتقادات کو
 ایک کڑکھڑاٹن راجع کرنے میں بہت مدد دیتا ہے اور جبکہ ایک قوم
 ایک مرتبہ پولیٹیکل وجود حاصل کر لیتی ہے تو جلد وہ ایک نہ ایک مذہب
 سے اپنے تئیں آراستہ کر لیتی ہے اور زیادہ قومی فرقہ آہستہ آہستہ
 تمام اپنے مقابل کے کمزور فرقوں کو ملا لیتا ہے ہندوستان
 میں اس بات کی علامتیں اوس وقت پائی جاتی تھیں کہ سلطنت مغلیہ
 کے شکست ہونے سے آخر کار اقوام پیدا ہو جاوین کیونکہ بعض
 بڑے جگہ کے ایک سرگروہ کی ماتحتی میں جمع ہونے جاتے تھے
 اور بلحاظ ممالک اور حکومت کے قراصل کرتے جاتے تھے لیکن
 ٹھیک اوسی وقت انگریزوں کی مداخلت نے ہندوستان کی
 تاریخ کے کل واقعات کا رخ پھیر دیا۔

پس تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ اس طور پر وہ پولیٹیکل انقلابات
 جنکی وجہ سے ہندوستان ہمارے ہاتھ آیا اس سوال کی تشریح

کرتے ہیں کہ کیون ایک ایسا لایک جس نے دو ہزار برس کا عرصہ ہوا
 تمام مشرقی ایشیائین، و نہایت وسیع و عام پسند مذہبوں کو یعنی
 مذہب برہمنان اور ہودہ مت کو نشو و نما اور اشاعت بخشی ہو اب
 یہی مذہبی ابتری سے جگم رہا ہوا کیون ایسے کامل طور پر جمع کرنے
 اور قائم کرنے میں ایسے مذہبی مبالغوں اور کارخانوں کے ناکام
 رہا ہو جیسے کہ نہ صرف اور آریا ملکوں میں بلکہ تمام مغربی ایشیائین تک
 پا گئے ہیں ہندوستان اب تک پرانی دنیا کے معتقد و دیوتاؤں اور
 ان کے قصوں کے اور عجیب اسرار ان سے اور حکیمانہ برہم گمانوں
 سے پُر ہے جنکی ایک تہ دوسری تہ کے نیچے نہیں جمی ہے (جیسا کہ
 اوس مذہبی تہ بندی کا حال ہے جس میں کہ یہ تمام پرانے پتہ پتہ
 میں ہی ابھی پائے جاتے ہیں) بلکہ مخلوط اور ایک دوسرے سے
 بلا کسی ترتیب یا پیوستگی کے ملے ہوئے ہیں جو مذہب عیسوی
 جسکے کہ ہم انگلستان میں آج کل معتقد ہیں ایک نہایت دراز عرصہ
 نشو و نما کا نتیجہ ہے اور ایک ایسے درخت کا پھل ہے جسکی جڑیں دنیا
 کے ابتدائی زمانہ تک چلی گئی ہیں تاہم وہ فاصلہ جو درمیان پر
 انگلستان اور توریت کے زمانہ کے کوائف اور طریقوں کے
 واقع ہے اوس فرق کا غیر مناسب پیمانہ نہیں ہے جو مذہبی ترقی

لیکن میں درمیان انگریزوں اور ہندوؤں کے واقع ہے تشکیل امیکہ
 کی حکایت کو لو جو جوں کی کتاب بنے ہتر ہون اور اٹھارہویں ہون
 میں درج ہے دیکھو کیونکر اوس کے بہان ایک بتخانہ تھا اور نفرتی تہین
 بتائی تہین اور اپنے لڑکوں میں سے ایک کو اپنا پوجاری بنایا تھا
 کیونکر اوس نے بعد ایک خانہ بدوش لے آیا ایت کو اپنا پرست بنایا
 اور کیونکر ایک دن چہ سو مسلح ڈیناٹ اوسکی مورتوں کو مع اوس
 لیولٹ کے لیکئے اس قصہ کو سنکر جبکہ یہ اتوار کو عیسائی جماعت
 کے سامنے پڑھا جاتا ہے انسان کو اور عجیب سلسلہ واقعات اور
 تہنیں خیالات پر بھیچے نظر ڈالنے سے حیرت اور محویت ہونی ہے
 جن واقعات کی وجہ سے ایک قدیم فرقہ شام کی یہ داستان بڑا
 کے دیہات میں ہفتہ وار پڑھی جاتی ہے یہ حکایت اس شکل میں ہم
 تک ایک دور دراز ملک اور زمانہ سے آئی ہوگی جس طرح سے کہ
 ایک گرم اور محض خشک میدان میں ایک بڑے دریا کا سوتا ضرور
 بہت دور کے پہاڑوں میں سے نکل کر آتا ہے اور جس طرح سے
 ایک شخص دریا سے سندھ کے برف سے نکلے ہوئے پانی کو چلے
 رہے ریگستان کے درمیان میں موسم گرما میں پوری دہار سے
 بہتا ہوا اور اپنے منبع سے جو ملک تبت میں ہے دو ہزار میل کے

۲۰
 اس کی ایک
 ایک اور
 میں ایک
 تہین

فاصلہ پر دیکھ کر خوش ہوتا ہے اویسی طور سے اس کا دل ایک وسیع
 فاصلہ زمین و زمان کے خیال سے بہر جاتا ہے اور اس خوشناتفر
 سے جو ماضی و حال کے درمیان واقع ہوا ہے اور وہ طویل اور ہر اتنا
 زمانہ تاریخی جو میکہ کے بتانہ واقعہ کوہ فریم اور ایک انگریزی پریسٹ
 کے گرجے میں سے پہر کو انجیل کے سبق پڑھنے کے درمیان شامل
 ہے کیا دل پر اثر کرتا ہے۔

لیکن ہندوستان میں یہ بات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مذہبی ترقی
 کے اس دریائے گوہ پر زور اور دائی ہے اپنے لیے ایک صاف دار
 نہیں نکالی کہ جہین وہ بہت سا پانی جمع کرے اور ہمیشہ یہے جائے
 یہ صرف مثل ایک وسیع ترائی کے ہے جو نیچے ہمالیہ پہاڑ کے پہل کی
 ہے اور ہمالیہ ایک ایسا سلسلہ پہاڑ کا ہے جو دنیا کے ایک خاص
 مذہبی خطہ کی حد داخل ہے میکہ کے قصہ درمیانی سے اہل یورپ کو
 حیرت ہوتی ہے اور وہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا ایک لائق مفسر ڈاکٹر ہتھ
 کے لغت انجیل میں ہنگستان کے مستند مراسم دینی سے صحیح
 مخالف مراسم میکہ کا تطابق نہیں کر سکا ہے اور نہ دنیاٹ کی کارڈائی
 کی تصریح کر سکا کہ کھتا کہ ہم مغرب کے بنوائے ترتیب اور امن کی برکتوں
 مذہب کے ساتھ متعلق کرنے کے عادی ہیں پس ہمارے مذہب کو

یہ بات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ بے قانون لٹیرے کیسے پائند
 مذہب تھے۔ ہم یہاں اس بات کی بحث کرنے کے لیے ٹھہرنا نہیں
 چاہتے کہ تاریخی واقعات سے اس بات کی کہ امن اور ترتیب
 کے ساتھ مذہب کا فطری تعلق ہے کھانتک بقصدیق ہوتی ہے
 اور ایک مغربی شخص کا خیال اس بارہ میں کھانتک درست ہے
 اس مصنف کی رائے میں مذہب ظاہر ایک محدود مجموعہ اخلاق کا
 ہے جو ایک مقررہ سلسلہ الکیات پر مبنی ہے اس مصنف نے اس
 بات پر حاطا نہیں کیا کہ آفات اور مشکلات سے بھی تو مذہبی خیال پیدا
 ہوتا ہے۔ گو ایک یورپین جنرل کی نگاہ میں شامی طریقہ زندگی کی
 یہ تصویر تین ہزار برس کے گہرے دھندلی معلوم ہوتی ہے لیکن
 کسی شخص کو جو ہندوستان کے کسی بے آئین حصہ میں رہا ہے
 غیر مانوس معلوم نہوگی اور اس کے ظاہری اختلافات اس کی صدا کا
 عموماً وثبوت ہونگے توڑی ہی ضروری تبدیلی کے بعد اس قصے کے
 ہزویات بھی ہندوستان کی کیفیت کے مناسب حال ہو جائیں گے
 اور راجپوتانہ میں اونکو سنکر کسی کو تعجب نہوگا گو مغربی دنیا کے
 طالب علموں کی سمجھ میں یہ واقعات مشکل سے آتے ہوں۔ میکہ کے
 زمانے سے مذہبی خیالات اور مذہبی ترتیب اور رستی کی عام فہم

میں ہندوستان نے ایسا صاف قدم نہیں بڑھایا جس سے کہ
 اس کی تمام آبادی قرار واقعی طور پر ایک بلند تر روحانی پنسال پر جاگزیں
 ہو۔ اتنی صدیوں کے عرصہ دراز میں روحانی معاملات میں ہند
 جنگل میں بہتگتے رہنے تھے مگر انہوں نے کوئی باقاعدہ عمارت
 نہیں بنائی نہ کوئی عام آراؤنش ترتیب مذہب کو دی نہ کوئی ایسا
 معبد بنایا جہاں کہ ان کی تمام اقوام جا سکیں۔ برخلاف اسکے تمام
 اور قوموں نے جو ہندوؤں کے برابر کی بلکہ ان سے کم تہذیب
 کی تھیں اور ان سے کم عقل تھیں کوئی نہ کوئی ایسی عمارت اپنے
 واسطے طیار کی تمام سرزمین ہندوستان بشیما مندرون مٹھوں
 اور معبدوں سے پرستش کے مقاموں اور قربان گاہوں سے
 بہرا پڑا ہے۔ لیکن جس طرح ہندوستان کے قدیم معبد گاہوں کے
 کنڈروں سے طرز عمارت کی قدیم و ناخیر کے کسی صاف با ترتیب
 سلسلہ کا پتہ نہیں چلتا (کیونکہ بسا اوقات زیادہ پرانے معبدوں کی
 عمارت زیادہ مکمل ہے) اسی طرح روحانی خیالات کے کسی صاف
 اعلیٰ درجہ کی طرف جانیوالے سلسلہ کا نشان نہیں لگتا۔ ہر روز کے برتاؤ
 کے عقائد اور رسوم، قدیم اور جدید تقصبات کی پیچیدگاری، کی مانند ہیں
 جن ایسے مندرون سے مشابہت رکھتے ہیں جو زیادہ پرانی عمارتوں

کے کندھوں کے مصالح سے یا اونپر خوب بنے ہوئے آج نظر آتے
 ہیں۔ پتھر چنبر ایک دیوتا کے نشانات کندھ میں ایک دوسرے
 دیوتا کے مندر میں جڑ دیئے گئے ہیں جس طاق میں کسی زمانہ میں
 بدھ کی صورت رکھی تھی اب مہادیو کا انگ رکھا ہے اور مزید برآں
 پتھر کی چوٹ اور ستون تو قدیم ہندوؤں کی طرز عمارت کے ہیں
 مگر اونپر گنبد مسلمانوں کے طریقہ کے رکھے ہیں۔ یہ کسی طرح فرض نہیں کیا جاتا
 کہ اعلیٰ درجہ کی زندگی یا زیادہ خالص ہوا میں چڑھنے کی طرف ہندو
 میں رجحان طبیعت نہیں پایا گیا ماکوشش نہیں کی گئی برعکس اسکے
 ہندوستان کی کل مذہبی تاریخ ایسی جدوجہد سے ملبوس ہے ایک
 اور مقام پر مذہب ہندو کا کل سامان ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ ہمیشہ
 متواتر حرکات اور تغیرات سے اوں مذہبی فروعات کے زندہ رہتا
 جو اپنے وجود کے لئے دائمی تنازع میں رہتے ہیں جنہیں عمدہ خیالات
 (گو اوں خیالات کی صورت اور نسل بگڑ گئی ہے) ابتدائی نشان ابھی
 تک باقی ہیں اوں رشیوں اور بھگتوں کے گروہ میں جو ہندوستان
 کی ضعیف الاعتقادی سے پیدا ہوئے ہیں بسا اوقات ایسے عارف با
 پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ایک نئی روشنی لی جہلک دکھائی جنہوں نے
 کسی بڑے اخلاقی اصلاح کے لئے نور و غل مچایا جنہوں نے علوم انکس

کے دلون میں ایک جاگزیں تحریک کو پیدا کیا اور اوسکو جنس
 دی ایسے مرد ہندوستان کی بسواسٹی میں اپنے نشان چھوڑ
 ہیں، اونکی پنتہ قائم ہیں، لیکن اونکا سچا جذبہ بد ریح گھٹ گیا ہے،
 شمع ہاتون ہاتھ جاتی ہے لیکن جابلانہ خوف کی تاریکی میں اسکی
 روشنی دن بدن دھندلی ہوتی جاتی ہے، اون متعدد شخصوں
 اوسکے اسرار سے واقف ہو گئے ہیں وہ بطور ایک پنہان شرانگ
 کے باقی ہے اور عوام الناس کے لئے جو حضرت رسان دیوتاؤں
 سے بوجہ جہالت کے ہمیشہ خائف رہتے ہیں بطور ایک ہشگونی کے
 باقی ہے۔ جب سے کہ ہندوستان میں بودہ مت کو زوال ہوا کسی
 مذہبی طریقہ نے وہاں کے باشندوں کے دلون پر ایسے جبر قیل
 کی سی متحرک قوت حاصل نہیں کی جو کہ ہندوؤں کے گروہ عظیم کو تعبد
 کے نشیب سے صاف نکال کر کسی با ترتیب اور ترقی پذیر اعتقاد کے
 مضبوط زمین پر پہنچا دے۔

پس اوس شخص کے لئے جو ہندوستان کو معائنہ کرتا ہے بہت
 سی وجوہات سے قابل ذکر صورت و کیفیت، اوسکی مذہبی حالت ہے
 اور میں نے اس رائے زنی کی جرأت کی ہے کہ تمام ہندو مذہب کی
 اس خراب و فحشہ و بے ترتیب حالت کے اسباب زیادہ تر مذہب کی

منسوب کیے جاسکتے ہیں رعایا کی پولیٹیکل مصیبتوں سے اس پر تکلیف
بے ترتیب اور پراندیشہ زندگی بنے جو اونٹ لگا کر وہ نے بہت سی
صدیوں سے بسر کی ہے یہاں تک کہ فوجی جذبہ کا بے اعتدالی سے
عرصہ دراز تک غلبہ رہا۔ بالخصوص اٹھارہویں صدی کی شواہد کشمکش
اور لڑائیوں نے مذہبی استیلاؤں کے اجڑا کر پڑے پڑے اور ٹکڑے
کر کے پھینک دیا اور اس سبب سے مذہبی ترقی کو زورک دیا۔ یہی حکم
انگریز ہندوستان کے مالک ہوئے تو انہوں نے مصر یا اجمیر یا کی
طرح ہندوستان میں کوئی سنجوئی باقاعدہ کٹر یا موحد مذہب مقابلہ
کے لئے یا کوئی عظیم رعب دار پوجا ریوٹکا فرقہ منظم نہ پایا۔ اسلام کا
پولیٹیکل غلبہ جاتا رہا تھا اور باستان سے ایک یا دو قومی پنہون اور قومی
جبرگن کے مذہب ہندو نہایت اتیری اور نا اتفاقی کی حالت میں تھا۔
اگر یہ قیاس صحیح ہے کہ ہندوستان کا یہ مذہبی زوال اور
پولیٹیکل بد بختیوں سے جو شہتاپشت سے عائد ہوئی ہیں قریب قریب
متعلق ہے تو دل میں یہ خیال کیے بغیر نہیں جا جاتا کہ مستقل اور زوردار
انگریزی انتظام کی وجہ سے جو قرار واقعی ترتیب اور امن و امان جلد
ہندوستان میں پھر قائم ہوا ہے اس کے کیا نتیجے ہوں گے۔
ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دیوتاؤں کے اس عجیب گروہ

اختلاف رسوم کو جو ہندوؤں میں پائی جاتی ہیں بطور تصویر روم اور
 یونان کے قدیم بت پرستی کے خیال کر سکتے ہیں جو بیان قیصریہ کے
 یوسوہیس نے اپنی کتاب بطیوقینہ میں اس بے انتظام فوق الفطرت
 مذہب کا کیا ہے جو دین عیسوی کی فتح کے قبل مذہب دنیا میں رواج
 تھا وہ قریب قریب لفظ بلفظ آج کل کے ہندوستان کے لیے چسپاں
 ہے وہ تحریر کرتا ہے کہ کیونکر مشرک لوگ زمین میوؤں کو اپنے مکینہ
 جذبون کو اور جانوروں کو دیوتا بناتے تھے اور کیونکر چند آدمیوں
 کی نسبت اونہوں نے یہ شہر کیا۔ کہ بعد انسانی چولا چوڑنے کے وہ
 دیوتا اور نیم دیوتا بن گئے یہ خیال کر کے کہ ربانی بوباسل مردوں کی
 قبروں کے اگل بغل اور مقبروں میں گوتی پھرتی تھی۔ اور کیونکر وہ
 لوگ آدمی اور جانوروں کی موریتیں بناتے تھے اور غیر محسوس ہوت
 پریتوں کو قربانی دیتے تھے اور اونکی رسمیات کیسی شرم کی باتیں
 سنیں اور اونکے چڑھاوے کیسے خونی تھے۔ اوسنے اون حکیموں
 کی بھی بھوکے تعبے جو حق کی جستجو میں بلا کسی تجربہ کے صرف چکنی
 چہرے باتوں کے ذریعے تمام چیزوں کی اصلیت دریافت کیا
 دعوی کرتے تھے اور یہ فیصلہ کرتے تھے کہ آرام ہی خاص عمدہ
 چیز ہے، برخلاف اوسکے اور لوگ یہ کہتے تھے کہ عقل کی بات

ہی خدا ہے اور بعض کہتے تھے کہ مادہ پر دست قدرت کسی کل نہیں
 لگا ہے۔ یہ بیان ہندوستان کی آجکل کی حالت سے ایسا
 چپان ہے کہ ہر شخص جو اس ملک کی تمام حالت پر نظر ڈالے گا
 اس مشابہت سے متحیر ہوگا اگر ایک خیالی استعارہ استعمال کیا
 جائے تو وہ خیال کریگا کہ وہ اون دور کے ستاروں میں سے ایک
 پہنچ گیا کہ جنگی روشنی ہماری دنیا میں سولہ سو یا اٹھارہ سو برس
 پہنچتی ہے پس جو کچھ کہ اس دنیا میں ہو رہا ہے اس کے انکسار کو
 اتنی ہی صدیوں تک سفر کرنا ہوگا قبل اسکے کہ وہ اس فرضی ستارہ
 سے دیکھنے والے کی آنکھ پہنچ سکے اور جان سکے باشندے
 اگر اونکی قوت باصرہ اسقدر قوی ہو کہ جو کچھ زمین پر گذر رہا ہے
 اسکو تمیز کر سکیں اس گہری تمام سلطنت روم کو مع اون تمام
 بیشمار مندروں اور قدیم کفر و شرک کے اعلیٰ مقاموں کے سامنے
 پسلا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ یو سوبیس لکھتا ہے کہ تعجب کا مقام تو یہ ہے
 کہ اس مکر وہ شرک کے زمانے میں لڑائی جگر افساد ہل چل اور
 شہزادوں کی بربادی جاری تھی لیکن اس کفر و شرک کی بربادی
 اور انہدام کے ساتھ کامل امن حاصل ہوا جس میں ہر عمدہ چیز بیک
 سر سبز ہوئی۔ بلاشبہ جو اصل نتیجہ لبیب قصہ یہ ہے اس سے نکلا

فردینک بولچاک کی دوسری کتاب میں مذکور ہے کہ اس طرح کی طرح کی کتابیں بہت کم ہیں۔

وہ یہ ہے کہ مذہب عیسوی نے دنیا میں امن قائم کیا اور نہ کوئی
 شخص اس سجد پولیٹیکل اثر سے ایسا کر سکتا ہے جو ساری تاریخ
 میں سب سے بڑے مذہبی اور اخلاقی اصلاح نے ضرور ڈالا ہو گا
 لیکن وہ بہت زبرد کے ساتھ یہ ہی کہتا ہے۔ کہ کیونکر وہ امن فتوحات
 ملنے اور تمام قدیم سدر اہون پر جنہوں نے جماعتوں کو متفرق اور
 متعید کر دیا کی وجہ سے تمام قدیم دنیا کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے
 تھے ایک بہاری چلنے والا اور ہوا کرنے والا بیلین پیر اور جدا
 کرنے والی دیواروں کو ہمار کر دیا اور ہوا اور روشنی کا گزر ہوتے
 دیا وہ صاف طور پر یہ بات دیکھتا ہے کہ بے خلل امن نے ہنسنہ
 مستعد و معبود پرستی کی رسوائی زوال اور بربادی پیدا کی کیونکہ وہ
 لکھتا ہے کہ انسانی زندگی کی تبدیلی اب حالت امن و آرام میں
 ہو گئی تھی اور اللہ عام ایسے وقت میں ظاہر کیا گیا جو اس کے لیے
 موضوع تھا اب حکمرانوں، بادشاہوں، سرداروں، اور گورنروں کے
 گروہ کے گروہ تھے صرف ایک بادشاہت اہل روم تمام جگہ پھیلی
 ہوئی تھی اور اس لیے امن غیر صلاح جو دشمنی کا خاتمہ ہو گیا تھا جو
 ایسی مدت و راز سے قوموں میں ملی آتی تھی اور جس طرح سے کم
 ہوا کے شیخ کی ہدایت کے موافق ایک خدا کا علم تمام انسانوں کو دیا۔

۱۰
۱۱
۱۲
۱۳

اوسی طرح سے تمام رومن سلطنت پر ایک بادشاہ حکمران ہوا
 اور سب طرف سے امن دامان رہتا تھا تمام بنی نوع انسان میں دولہائی
 فائدے پیدا ہوئے ایک تو پارسی کی ہدایت اور دوسرے رومن
 کی سلطنت۔ کوئی شخص جہاں پاتا اپنی تجارت کا اسباب بھیج سکتا
 یا خود جاسکتا تھا بلا کسی خطرہ کے مغرب کے لوگ مشرق میں آتے
 تھے اور مشرق کے مغرب جاتے تھے۔ المختصر رومی سلطنت کے
 فوائد واسطے اشاعت ایک مذہب کے ایسے عظیم اور بدیہی تھے کہ
 گویا صریحاً پیشتر ہی سے اشاعت انجیل کے لئے وہ مقرر ہوئی تھی
 گوں شخص اسکا معترف نہوگا جبکہ وہ یہ خیال کرے کہ حواریوں کا پہنچنا
 جبکہ تمام قومیں ایک دوسرے کے خلاف تھیں ایک آسان امر تھا
 لیکن خدا نے جو سب پر حاوی ہے اس بڑی سلطنت کے غوث کے
 ذریعے سے شہر زمین ہوت پریت کے پوجنے والوں کے غیظ و غضب کو روک دیا۔
 ”اس عبارت کو شاید اور طوالت کے ساتھ ہم نقل
 کر سکتے تھے کیونکہ یسوع مسیح کے دل میں یہ خیال کوٹ کوٹ کر ہوا
 تھا تھا کہ رومن سلطنت بطور ایک بڑے جنگی انجن کے اس غرض
 سے مقرر ہوئی تھی کہ بت پرست دنیا کے باہمی متنازع اور ٹکراؤ
 مخالفوں کو دبایا دے اور نیست و نابود کر دے اور خوشیاں بڑی

اور ہر شہر کے جدا جدا حکمرانوں کے ظلم کو مسدود کر دے دنیا کی تاریخ میں ایک وسیع خطہ زمین میں امن و امان اور قانون کے مستقل اجراء کے مقابلہ میں ان نہایت قدیم تقصبات کا زائل اور منہدم ہونا ایک نہایت تعجب انگیز واقعہ ہے گو اس کی وجہ ہم صحیح سے چاہیں بیان کریں وہ تقصبات بوجہ جمہالت اور علیحدگی پیدا ہوئے اور اونکا نشوونما ہوا وہ گویا عکس اور تصویر خیالی تھے جذبات انسانی کی اور نیز اذن غیر قابل تبصرہ آفات کی جو اوائل زمانہ سے چلی آئیں یعنی ایسے زمانہ سے کہ جسکے پہلے انسان کی یاد کام نہیں کر سکتی۔ چند صدیوں ہی میں شرک کی کل عمارت و سامان شکست ہو گئے اور ان مذہب اقوام کے سطح سے غائب ہو گئے جبکا حفظ و امن اور با ترتیب انتظام ایک وسیع روحانی اصلاح کا ضروری پیشرو اور نہایت ثابت ہوا۔

اگر ہم اذن ہوشیل و پوچھکیل تغیرات میں جو مغربی دنیا میں ہونے لگیں متوجہ ہوں گے سب سے واقع ہوئی تین اور جو ہندوستان کے براعظم میں انگریزی تسلط کی وجہ سے ظہور میں آئی ہیں مطابقت دکھلا دیں تو یہ بات نامناسب و بجا نہ ہوگی کہ ہم اس تطابق کو طویل دین امدادوں و تاج کے احتمالات کی نسبت سب سے زنی کریں۔

صورت میں مثل اونکے پیدا ہونگے جو اول الذکر صورت میں ظہور پذیر
 ہوئے تھے۔ ہم بالکل اوس کوہ ہوائی کو تبدیل کر رہے ہیں جس میں
 خیالی تقصبات پیدا ہوئے ہیں اور نشو و نما پاتے ہیں ہم اسید
 کر سکتے ہیں کہ فوق الفطرت مذہب کی یہ بیر مونی صورتیں یکایک
 کچل جائیں گی اور نیست و نابود ہو جائیں گی بغیر اسکے کہ اونپر کوئی بیرونی
 صدمہ پہنچے اور بغیر اسکے کہ اونکے اندرونی زوال کی علامات بہت
 پیشتر سے نظر آئیں، مثل اون بے تک کے تو دون کے جو آخر کار
 گرم خٹون میں پہنچکر اندر ہی اندر اپنی پیندی کے گلے سے یکایک
 اوندھ ہو جاتے ہیں۔ اسوقت مذہب ہنود کا سایہ اب تک کل ہندوستان پر
 پڑتا ہے عقائد و پرستشوں کا بدشوار۔ گدار جنگل و نیا ہی گناہ مضبوط
 نظر آتا ہے جیسا کہ کہی تھا لیکن یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ نیچے
 نیچے اوسکی جڑیں قرار واقعی طور پر کاٹی جا رہی ہیں اب تک غمیر تھن و
 غیر تحفظ نے اوس چیز کو قائم رکھا جسکو جمالت اور سکون نے
 پیدا کیا تھا لیکن پُرانا ڈھنگ اب بدل گیا ہے اب اوسکی جگہ نیا ڈھنگ
 چلا ہے اخیر مقابلہ جو نئے طریقہ امن اور قانون کا ہندوستان
 کی رعایا کے جنگجو اور سرکش جزو نے کیا تھا وہ مئی ۱۹۴۷ء سے
 ۱۹۵۷ء تک رہا تھا ہندوستان کی ساری تاریخ میں کہی بارہ بار

۱۹۴۷ء
 ۱۹۵۷ء
 ۱۹۶۷ء
 ۱۹۷۷ء
 ۱۹۸۷ء
 ۱۹۹۷ء
 ۲۰۰۷ء
 ۲۰۱۷ء
 ۲۰۲۷ء

کے اندر انتی قطعی لڑائیاں نہیں ہوئیں جیسی کہ ان بارہ برس کے
 اندر ہوئیں انگریزوں نے دو خوفناک قواعد ان فوجوں کو یعنی سکون
 کی اور خود اپنے سپاہیوں کی فوج کو منتشر کر دیا اور دو نو ہندو
 تازہ سلطنتوں کو نیست و نابود کر دیا جو شاید مضبوط ہو کر قوم کا درجہ
 حاصل کرتیں انگریز ہندوؤں کی عارضی حرارت دینی اور مسلمانوں
 کی مذہبی گرمجوشی پر غالب آئے اور انہوں نے ان دو قوتوں کو
 ایک دوسرے کے مقابلہ اور دباؤ کے لئے استعمال کیا اور انہوں
 نے ہندوستان کے ہتھیار چھین لئے اور بالفضل جنگی زمانہ کو ختم
 کر دیا۔ ہم نے اب خاصی جسمانی حفاظت اور بے روک ٹوک وسائل
 آمد و رفت جاری کر دیئے ہیں ہم اب ہندوستانیوں کو صحت
 اور تعلیم دے رہے ہیں علی طریقہ اور دقائق شناسی سکھا رہے ہیں
 ہم ان کے واسطے اون پہاڑوں کو کھول رہے ہیں جس کے پیچھے
 مغربی علم کے پانی کا زیادہ تر جماد ہو رہا ہے یہ نسبت اوس دریا
 ذخائر فلسفہ یونانی کے جسکو اہل روم نے اپنی سلطنت میں جاری
 کیا جبکہ انہوں نے اوسکے ہر چشمہ کو قابل گذار اوسکے بباؤ کو آسان
 کر دیا تھا۔ تواریخی رائے زنی کے واسطے اس سے زیادہ
 کوئی مضمون خیال میں نہیں آسکا کہ انگریزی تسلط کا ہندوستان

اور آخر کار تمام ایشیا کی تہذیب پر کیا اغلب اثر ہوگا کیونکہ اگرچہ
 ہندوستان کی آئندہ مذہبی حالت کی نوعیت یا رجحان کی نسبت
 کسی قسم کی پیشین گوئی کی کوشش کرنا نہایت ہی جرأت کا کام ہوگا
 لیکن یہ امید کیجا سکتی ہے کہ انگریزی تسلط ایسا ہی مستقل ہے جیسا
 کہ وہ بظاہر ہر صورت سے پایا جاتا ہے تو دو یا تین نسلوں میں
 ایک وسیع اور قوی کایا پلٹ ظہور میں آویگا یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ
 مذہب ہندو کے پرانے دیوتا دماغی روشنی اور سہانے جدید عناصر
 میں ایسے ہی جلد مر جائینگے جیسی کہ جال میں پھنسی ہوئی پھلیاں پانی
 سے یا ہرنکالنے پر مر جاتی ہیں اور یہ کہ اوس تبدیلی کی وجہ سے جو
 ہندوؤں کی مانند ذہین قوم کے مذہبی حوارج میں ان کے حالات کی تبدیلی
 کی وجہ سے واقع ہوگی یہ غیر ممکن ہوگا کہ ان کے نئے عالم میں ان کے
 پرانے دیوتاؤں کو جگہ ملے۔ ان کے ابتدائی مراحم آہستہ آہستہ
 اسی طرح سے مہجرا کو زائل ہو جائینگے جیسے کہ ساحری یورپ سے
 چلے می اور جیسے دیگر توہمات بتدریج منہدم ہوتے جاتے ہیں خود
 اس تحریک میں کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن ہندوستان میں جو تیزی
 اور زور کی علامات اوسکی رفتار میں پائی جاتی ہیں وہ بے نظیر ہیں
 کیونکہ اوسکی ناؤ کو یورپ کے جہاز نے اپنے ساتھ باندھ لیا ہے اور اس

آخر الذکر جہاز اپنے پورے دھونیں کے زور سے چل رہا ہے اور
ہندوستان کی حالت کے لئے یہ خاص دلچسپی بلکہ شاید اندیشہ کا
مقام ہے۔ دنیا کی ترقی کر نیوالی قوموں کے لئے بعض زمانوں میں
یہ ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی عقل کی ترازو کو از سر نو ٹھیک کر لیں یعنی جو
کچھ کہ وہ یقین کرتے ہیں اور جو کچھ کہ وہ جانتے ہیں اس کے درمیان
میں ایک قسم کا میل نئے سرے قائم کریں جبکہ علم و یقین کا پلہ برابر
نہیں رہتا تو اس کی ابتدائی علامت اس چیز میں ظاہر ہوتی ہے جس کو
بیقراری کی کیفیت کہتے ہیں جو سلطنت روم میں نظر آئی تھی پھر بعد
کہ مذہب عیسوی نے اس کا علاج کر دیا اور جب کا ہر شخص کو اس وقت
ہندوستان میں بھی ظہور نظر آتا ہے ممکن ہے کہ یہ وہی چینی کی
کیفیت ہو جس کو ڈاکٹر ہنٹر نے ہندوستان کے مسلمانوں میں پایا ہے اور وہ غالباً
مسلمانوں کی اس تازہ سرسبزی کی بنیاد ہے جو مسٹر ڈبلیو جی ہالگرو
کے علم و یقین میں تمام اسلام میں جاگزیں ہو رہی ہے بلاشبہ
اس کے آثار ہندوؤں کے اوّل متعدد فرقوں میں پائے جاتے ہیں
جو ایک زیادہ روحانی مذہب کی طرف ترقی کر رہے ہیں جو اقل درجہ
بکے شرک کی معنوی تاویلین کر رہے ہیں اور جو ایک ایسے فنیستی
کی طرف مائل ہیں جس پر ہر مروجہ عقائد کی بنیاد قائم ہو۔ مثال میں

خمیر مختلف فرقوں میں اوٹھ رہا ہے اور جنوب میں اسکا اظہار اس
درخواست میں ہوا ہے جو تعلیم یافتہ ہندوؤں نے اپنے مذہبی اوقات
کی اصلاح کے لیے گورنمنٹ کے پاس بھیجی ہے اگر ہم اس درخواست
کی منظوری کی کوشش کریں گے تو وہ ہمو اور نیر ہندوؤں کو بہت
دور لیجا دیگی کیونکہ اگر متعدد معبود پرستی کی خرابیوں کے صاف کرنے
اور ظاہری پرستش کو ایک مذہب اور معقول طریقہ پر قائم کرنے کے
قرار واقعی کوشش کیجاوے تو یہ محال ہے کہ وہ راین اور اصول
اوسمیں داخل نہ کیے جائیں جس سے کل عمارت کی بنیاد پاش پاش
ہو جائے +

اس طرح سے یہ قیاس کرنے کے سبب اور وجہیں ہیں کہ
مستقل عام امن اور یورپ کی عطا کی ہوئی قوت متحرکہ دونوں ملکہ
ایک ایسے ذہن و عقل کی تیزی کے ساتھ وسعت کا باعث ہونگے کہ ہر دنیا
نہایت تیزی سے اول صورتوں اور درجوں میں سے ہو کر گذر جائے
جنکے حاصل کرنے میں دیگر اقوام کو اپنی عمر میں منزلیں طے کرنی پڑتی
ہیں۔ ہندو لوگ آجکل اس سفر کو دو دن میں طے کرتے ہیں جن میں
دس برس ہوئے کہ حسینہ ہر لگتا تھا کیونکہ انگریزوں نے اپنی ریلین
جاری کر دیں قبل اسکے کہ ہندوستانیوں نے پختہ سڑک ایجاد

کی تھی۔ اور اسی طرح سے درمیانی ترقیات کو پچاند کہ ہندوستانیوں
 کی دماغی ترقی ہی نہایت عجلت سے ہو سکتی ہے، اب تک نئے مذہبی
 خیالات ہندوستان میں ہمیشہ پیدا ہوتے رہے اور غلط امن اور
 بلاخلل انتظام کے نہونے کی وجہ سے ہمیشہ مرجھاتے اور زائل ہوتے
 گئے لیکن ایسے خیالات جو اب آئندہ پیدا ہونگے اونکی پرورش ہوگی
 اور بلا روک ٹوک اشاعت پاؤنگے بشرطیکہ اونہیں مستقل اثودنا کا اصول
 ہو اگر صرف یہی امن باقی رہا تو اغلب ہے کہ ہندوستانیوں کو کوئی بڑی
 ہماری تحریک ہوگی لیکن اوش تحریک کا رنگ ڈھنگ کیا ہو گا وہ کس
 مرکز کی طرف کشش کریگی یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جس کا جواب ابتد
 زمانہ ہی سے دیا جاوے گا۔ صلح پسند عیسائی حکومت نے ہندوستانیوں
 اسلام کو ایک موقع دیا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اوقفت کو
 پھر جمع کرے جو تمام وکمال اونکو ہماری وجہ سے حاصل ہوئی ہے ہم نے
 اسلام کے بحری و بری آمدورفت کے وسائل کو پھر قائم کر دیا ہم کسی
 اون سرحدوں کے توڑنے کا نتیجہ ہلکت چکے ہیں جو رنجیت سنگھ اور
 اوسکے سکھوں نے ہماری شمالی سرحد پر ہندوستان اور باقی
 مغربی ایشیا کے مسلمانوں کے درمیان میں قائم کی تھیں مگر اب ہی
 ممکن ہے کہ ہندوستان کی دہنی ترقی کی تسلیج میں دین محمدی ایک

بڑی جگہ جہل کرے لیکن اوسکو جلدی کرنی چاہیئے ورنہ یہ ملک اس
 سے آگے بڑھائیگا اور بعض لوگ شاید خیال کریں مذہب عیسائی دنیا کی
 تاریخ میں دوسری مرتبہ اوس خالی جگہ میں قدم رکھیگا جو ایک بڑی
 وسیع سلطنت کے گرجانے سے پیدا ہوئی ہے اور اُون قطعات
 قابض ہوگا جو ایک نئی دماغی اور اخلاقی پینال پر ایک براعظم کے
 اوپر اوٹھنے کی وجہ سے نکل آئے ہیں لیکن مغربی یورپ میں
 جو خیالات کی حالت ہے اوس سے اس قیاس کی مشکل سے
 تائید ہو سکتی ہے کہ ہندوستان میں اوس ملک کی جانب سے
 ایسی کوئی قطعی تحریک ہوگی جیسی تحریک نے یونان و روم کی
 منزلزلت پرستی کو ٹھیک اوس وقت میں نہ وبالا کر دیا کیوں نہ مانا
 نے جبکہ اعتقادات مختص المقام کو ایک دوسرے سے بڑا دیا اور
 تناقص کر دیا اور ایشیا کی نہایت روحانی کیفیت مذہبی اونکو ملا دیا
 ہندوستان پر یورپ کا اثر بیشتر تجارتی اور علمی ہے ہنگامہ کا
 خاص کام یہ ہے کہ ہندوستان میں ایسا استوار پوٹیکل سلسلہ قائم
 کرے کہ جسکے سایہ عاطفت میں تمام دیگر سوشل تعلقات نشوونما
 اور ہدایت پاویں لیکن بیان پر یہ مشکل آ پڑتی ہے کہ بغیر کشمکش
 کر نیوالے خیال کے مصالح کے کسی ایسی عمارت کی بنیاد کیونکر

کیسے جانا ایک
 دوسری جگہ کا جو
 چاروں ملکوں کی
 باہر جانے کا چاہی
 تھی اس سلسلہ
 کو ایک سلطنت
 کو ایک قوت
 کو ایک سلطنت
 کو ایک قوت

ٹھہر سکتی اور قائم رہ سکتی ہے۔ ہندو ہی زندگی میں ہی ایسا خیالی
 جماعتیں اپنی ہستی کی غلبت خائف اور اسکے آرام کا باعث خیال
 کرتے ہیں جبکہ ہندوستانیوں نے اپنی عقلی آزادی حاصل
 کر لی تو یہ دیکھتا باقی رہیگا کہ وہ اس آزادی کا کمال استعمال کرینگے اور اس
 سوال کا حل پوری سلطنت کے کامیاب انتظام کے لئے ہی
 ضروری ہے جدید خیالات کا تمام میلان خشک اور انکار کی طرف
 ہے۔ ایسی سوسائٹی کے لئے جیسے کہ ہندوستانی ہیں۔ بنیادی کل
 اس چیز کی جسکو کہ ہم تہذیب کہتے ہیں ایک پگھلانے والی قوت
 ہے یہ پڑائی بولہ نہیں نئی شراب کا پھوڑا ہے بجائے لنگر اڑھانے
 کے لنگر کاٹنا ہے۔ یہاں تک کہ دوسری ضرورت وقت آنے کے لئے
 اور لنگر نہیں ہونگے یہ ضرور ہے کہ فتح اور تہذیب لنگر پرانے عقائد
 اور تعصبات کو دور کر دیں گے اور جب تک کہ کوئی عظیم جوش اس خالی
 جگہ کو پھرنے کے لئے ندوڑیگا تو ہموشاید کسی قسم کے روحانی سخت
 کے خلوص میں صدر نشینی کرنی ہوگی۔

ایسے تغیر و تبدل کے زمانے گورنمنٹ کو تکلیف دہ ہوا کرنے
 ہیں ہندوستانیوں کو یہ مشکل واقعہ ہے کہ کوئی مذہبی
 کیون نہوا ہم اوہیں شریک ہونے یا اسکی بنیاد پر کرنے کی قیادت

کر سکتے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم رعایا کے اوس ابنوہ سے جسکا کہ ہم کو
 انتظام کرنا پڑتا ہے اسقدر بہت سی باتوین آگے بڑھے ہوئے
 یا اقل درجہ اسقدر فاصلہ یہ ہیں کہ ہماری فوقیت سے عدم ہمدردی
 پیدا ہوتی ہے اور اوس رعایا کی رہبری کی خواہش میں ہم صبر و استقامت
 کو دیتے ہیں برعکس اسکے ہندوستان کے باشندوین ابھی سے
 ایک ترقی کر نیوالا فرق پیدا ہو رہا ہے۔ اس گروہ کے لوگ جنگیں
 و الٹیرین جذبہ سے آسانی سے پہرے ہوئے ہیں غیر عقلی اعتقاد
 اور نیز اون مراسم کو جو بادی النظر میں مہل ہیں نفرت کی نظر سے
 دیکھتے ہیں لیکن حسن معاشرت کے علم میں جو ہم یورپین کو تجربہ
 حاصل ہوا ہے اوس سے ایسی پُرانی دنیا کی عمارتوں کے مہندم
 کرنے کی سبب عقلی ثابت ہوتی ہے جنگی جگہ پر ابھی تک کوئی اور
 چیز قائم کرنے کے لئے کوئی مستعد نہیں ہوا ہو۔ مثلاً ذات خیر ضروری
 اور بارگرن معلوم ہوتی ہے یورپین اوسکی نسبت سخت سست
 کہتے ہیں جنگو برہمنوں کے چال چلن کے قواعد بعضی اور ناقابل عمل
 معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ چیزیں بہت جلد خود مہندم ہو جاویں گے
 بغیر اسکے کہ بذریعہ پیش از وقت قانون کی توضیح کے ہم اونکی محراب
 کے بیچ کا پتھر نکال دیں۔ اس میں ہمارا کچھ فائدہ نہیں ہے کہ ہم اون چیزیں

ایک دم سے ڈھا دین بلکہ ہیکو خود ابھی اوس ظاہری حقارت غالب
آنا چاہیے جو حسب معمول ایک یورپین کے دل میں اوس سوسائٹیوں
اور طریقہ خیال کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے جو اوس سے مختلف ہوتی ہیں
جو اوس کے تجربہ کے احاطہ کے اندر ہوتے ہیں ہیکو یہی چاہیے کہ ہم
نوجوان ہندوستانیوں کے دل میں منہدم کر نیولے جذبہ کو حد سے
زیادہ نہ بہر دین ہیکو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انگریز اور نیز ہندوستانیوں کا
بالفعل مقدم فرض یہ ہے کہ سوشل سلسلہ قائم رہے ایم پیر لائفٹ
صاحب اپنی کتاب خیالات نسبت تہذیب چین میں لکھتے ہیں ایک کتاب ہے
وہ عبارت نقل کرتے ہیں چین میں ایک انگریزی پرنٹسٹ پادری نے
یہ تحریر کیا ہے کہ ملک چین میں اخلاقی متواتر زلزلوں کا سلسلہ واقع
ہو رہا ہے اور وہ پادری صاحب یورپ کو اس بات پر سبکدوش
دیتے ہیں کہ اون خوفناک شور و غوغا کی وجہ سے قدیم زمانہ کے توہاں
اور کٹرین اور تصبات بالکل منہدم ہو رہے ہیں۔ مسٹر میلن صاحب
فرماتے ہیں کہ آندھی اور طوفان ہوا کو صاف کرتے ہیں لیکن مسٹر
لائٹ رقم طراز ہیں کہ اس عبارت کی مراد ایک ایسی سخت شورش
کی حالت پر اظہار خوشی ہے جس کا نتیجہ کامل اتری ہے اور ایسی
بل مٹوں کی نسبت یہ کہنا کہ وہ شر الطوائف ترقی میں ہیں

عبارت سے خطرناک مشابہت رکھتا ہے گو مصنف کی یہ مراد نہ ہو۔

طوفان زمین اور ہوا دونوں کو صاف کرتے ہیں اور زلزلے اپنی

کارروائی میں بہت امتیاز کو کام میں نہیں لاتے بہر حال یہ یقینی

امر ہے کہ ہندوستانی آب و ہوا میں اخلاقی زلزلے اور طوفان ہمارے

سلطنت کی استواری و قیام کو سخت دھکا دینگے اور کسی طور پر انکی

ترقی دینے میں ہمارا فائدہ نہیں ہے۔ لکچر مذکور الصدر میں مسٹر لافٹ

ترقی اور تہذیب کے اول غیر محدود خیالات کی نسبت بحث کرتے

ہیں جنہر وہ لوگ انحصار کرتے ہیں جو ایسی سوسائٹی کو ڈھانڈھنا چاہتے

ہیں جسکو کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اصل غرض بعض اوقات اس

زیادہ نہیں ہوتی کہ مغرب کے ذریعے مشرق میں کچھ کار عظیم

کر دکھادیں صاحب موصوف مثلاً ہندو یواؤں کے نکاح ثانی پر

انگریزوں کا اظہار خوشی قابل اعتراض سمجھتے ہیں انکی یہ رائے ہے

کہ اس قدیم رسم کی خلاف ورزی کے جواز کے ذریعے سے ہکواؤں

رسم کے مقابل جنگ کرنا ہرگز ہمارا کام نہا یہ ممکن ہے کہ مسٹر لافٹ

خود ارجحی کے ذریعے قریب قریب متکلب ہو گئے کہ وہ مشرق کو مغرب سے

جاسچتے ہیں شاید انکو یہ یاد نہ آ کہ ہندوستانی بہت سی لڑکیاں

اوس عمر میں بوجہ ہو جاتی ہیں جبکہ وہ یورپ میں بالکل بچہ متعلق ہوتی ہیں

(دایون کے ہاتھ سے نہ نکلی ہوتی ہیں) اس معاملہ میں ہماری اخلاقی
 حق بجانب ہے اور اور بہت سی صورتوں میں ہماری قانونی عدالتوں
 کی کارروائی نے ان مراہم کو ہتھواری اور دائمی اجراء بخشا ہے۔
 بطور پر نہایت کچکار اور بدلنے والی تہین اور اس طرح ان کو حالات
 مناسب لازمی ترمیمات اور بوسیدہ صورتوں کی مردار کھال پہنکنے
 سے روک دیا یہاں تک کہ خاص قانون بنانے کی ضرورت ہوئی لیکن
 ایسے سوشل قواعد کے مسدود کرنے کے لئے ہمارے قانون نافذ کرنے
 کے خلاف کچھ حجت کیجا سکتی ہے جن قواعد کو ہماری ذات کے تقاضے
 اور صریح اخلاق کے خلاف نہیں ہیں۔ اور ان اشخاص کے ساتھ
 بے قرار ہونے کے برخلاف ہر ایک بات کہی جا سکتی ہے جو ایک مختلف
 سوشل بناوٹ سے علاقہ رکھنے کی وجہ سے ان اصولوں کو فوراً
 ترک کر دینے پر مجبور نہیں ہوتے جنہر کہ ان کی سوسائٹی کا سہ
 ڈھلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ بے قراری اس بے اضافی کے ہمجنس ہے جسکے
 ساتھ (جیسا کہ اکثر بیان کیا گیا ہے) ہم گذشتہ زمانے کی نسبت بڑا
 کرنے کے حد سے زیادہ عادی ہو گئے ہیں کیونکہ ہم یہ بھول جاتے
 ہیں کہ تحریری حالات فی الواقع ہمو بہت کم معلوم ہیں نسبت ان امور
 کے جو ٹیک ٹیک پیشتر گذر چکے ہیں اور اس سے بھی کم اس بات

کی تشریح کر سکتے ہیں کہ چند صدیوں کے پیشتر لوگ کیسا خیال کرتے اور عمل کرتے تھے اور فی الحقیقت یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے سے ملک کی حالت اور ترقی کے بخور معائنہ کا موقع نہایت قیمتی ہے کیونکہ ہم یہاں خود اون چیزوں کو سامنے دیکھ سکتے ہیں جو غیبت میں دیکھنے سے بمشکل ہماری سمجھ میں آ سکتی ہیں، ہم تاریخ کے وسیع راستہ میں گویا پیچھے لوٹتے ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے اون کیفیات دیکھ سکتے ہیں کہ پُرانی کتابوں کے ذریعے ناواقفیت اور تعصب کی دھند بلی روشنی میں ہم دیکھنے کی اکثر کوشش کی تھی اور گذشتہ زمانوں کی نسبت زیادہ صاف خیالات اور بہرہ روی حاصل کرتے ہیں یعنی جس زمانہ میں کہ وہ انسان تھے جنکی کہ ہم اولاد میں جنکے کہ جذبات ہمارے ہی سے تھے اور جو عقل میں بھی ہے کم نہ تھے تاہم وہ اعتقاد و اثن ایسے رکھتے تھے جنکو کہ اوکی اولاد نفرت سے رد کرتی ہے اور نیک نیتی سے اون فعلوں کو کرتے تھے جنکا احوال ہم اب خوف اور حیرت کی نظر سے پڑھتے ہیں۔

ہم انگریزوں کو صرف اتنی بات ضرور ہے کہ امن قائم رکھیں اور راستہ صاف کر دیں ہمارا اس وقت فرض یہ ہے کہ ہم اوس تغیر اور تبدل کے زمانے میں جسکے کہ اب آنے کی توقع ہے ہندوستان میں بطور

پہرے والے کے کھڑے ہون جس طرح سے کہ ہم ایسٹ انڈیا کمپنی کے
 زمانے میں جگنا تہ کے تھوار کی حفاظت کے لیے سپاہیوں کی کمپنی
 مقرر کرتے تھے بلا دست اندازی کے جگنا تہ کو خود اوس ذہنی
 ترقی کے اوٹھتے ہوئے جوار بہاٹا پر چوڑ دینا چاہیے جو کہ خود عایا
 یقیناً کر لے گی اگر وہ صبر اور ثابت قدمی سے ترقی کرتی جاوے۔ شبہ
 یہ منفی طریقہ یہ دور کھڑا رہنا ایک غیر کامل حالت ہے۔ چنانچہ محفوظ نہیں
 ہے کیونکہ ایک نہایت مستند حکیم کی یہ رائے ہے کہ کسی ایسے
 پوٹیکل طریقہ کو استواری حاصل نہیں ہو سکتی جو محض مادی اغراض اور
 بہبود پر مبنی ہے۔ ابھی ہندوستان میں مذہبی ملوفانون کے خطہ کے
 باہر ہمارا جہاز نہیں نکلا اور گورو مانی حرارت کا بوش بتدریج کم
 ہوتا جاتا ہو۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ چون چون متعدد معبود پرستی کیلئے
 جاوے اور ایک مرکز کی طرف آتی جاوے تو توں توں وہ مذہبی حرارت
 اپنی قوتوں کو اکٹھا کرے اور انکو ترتیب دے۔ ایسے لوگوں میں جو
 ایک مذہبی قاعدے کے لیے جان دینے کو گرج ہی تیار ہیں جیسے
 کہ ہمارے باپ دادا اکثر تھے ایسے جذبوں کے مخالف مادے
 یعنی اوی خیالات بعض اوقات بہت کم کام آتے ہیں بہر حال
 ایک جیسکا دھما اور جیسپر علمبرآمد ہندوستان میں ہم انگریز کرتے

ہیں وہ اعلیٰ درجہ کی پولیٹیکل اخلاق کی حدیث ہے جو ایسا فانی حکمرانوں
میں بالکل نئی چیز ادنیٰ روشنی ہے اور جو اسی وجہ سے ہمارے
استقام کی سربراہ اور وہ علامت ہوئی چاہیے اور جس کے قائم رکھنے
ہیں ہمارے ارادہ کی نسبت غلط فہمی کا اندیشہ ممکن ہے۔ نیز ہمارے
اوس نیکنامی کے عارضی نقصان کو برداشت کرنا چاہیے جو اوس
برداشت نیکسان کا رروائی سے جو کچھ اوس کی قیمت ہو حاصل ہو سکتی ہے
جو صرف اسی طرح سے قائم رہ سکتی ہے کہ جو ایک دفعہ غلطی سرزد
ہوئی تو وہ قائم رکھی جائے اور اوس غیر تربیت یافتہ عام رہائے کے
مقابلہ میں سر جھکایا جائے جو اوس پر آفرین کریں گی۔ ہم ہندوؤں کی تہذیب
ہدایت کسی طرح اپنے ذمہ نہیں لے سکتے لیکن اسکے ساتھ ہی پبلک
اخلاق کے امور میں اولیٰ سے سبق لینے کو ہم تیار نہیں ہیں
کوئی خاص طریقہ عمل ہندوستان کے رئیسوں یا رعایا کے خیالات
کے موافق ہو لیکن ہمارے گورنر اور خاص حکمران ہندوستانی
سیکنے کی غرض سے نہیں جاتے بلکہ فرائض حکمرانی سکھانے کو اور
نیم وحشی جماعتوں کے دلوں کو تلقین دینے جاتے ہیں۔

اخیر میں ہم یہ امید کرتے ہیں کہ اوس فرقہ کے تمام فہمیدہ
اعدادہ اندیش ہندوستانی جنکو کہ ہم بڑے بڑے شہروں میں

پولیٹیکل معلومات اور سوشل آزادی میں عجالت سے تعلیم دے رہے ہیں
 یہ سمجھیں گے کہ بالفصل انگلستان کا خاص فرض ہندوستان میں یہ ہے
 کہ وہ تمام اخلاقی اور عقلی پیمانہ کو اس چین کے ساتھ اعلیٰ درجہ تک
 کرنے کی نگراں کرے۔ وہ لوگ جو اپنے ملک کے اخلاق کی تبدیلی
 اور علم اور حق کے احاطہ کی توسیع کے شائق ہیں ضرور دیکھیں گے کہ نظام
 کے جزویات پر یا اون معاملات پر بھی جو کانسٹیٹوشنل کمانڈر ہیں
 انگریزی گورنمنٹ سے تگوار کرنا پیش از وقت اور باعث بریادی
 ہے۔ گذشتہ صدی کے اخیر میں ہندوستان کے معاملات کی
 خاص نازک حالت اور واقعات کی وجہ سے ایک نہایت ہی مضبوط
 گورنمنٹ ویسے ہی اتفاقات کے اجتماع سے پیدا ہو گئی جیسے کہ
 تمام سلطنتوں کے قائم ہونے کی حاجت پر پیدا ہو جاتی ہیں
 زمانہ حال کی سلطنت کے یہ معنی ہیں کہ ایک جماعت ایک نہایت
 قومی رکن کے غیر متنازعہ فیہ اختیار و غلبہ کے ذریعہ سے ترتیب اور
 امن قائم رکھے اور جس ملک میں متائم مقاموں کی جماعتیں (انگریزی
 خیال کے موافق) ناممکن ہیں وہاں ایک وسیع خطہ میں غیر متفق جماعتوں
 کی عام رائے کے اجتماع کا سب سے عمدہ آلہ ایسی سلطنت ہے۔ وہ
 قانون اور حکومت کی پوری پوری اصلاحوں کا نہایت کارگر آلہ ہے

اور وہ نہایت قوی کل ہے جسکے ذریعہ سے ایک لاکلام اعلیٰ درجہ کی
 قوم ایسے جگہوں کا انتظام اور انکو ہدایت کر سکتی ہے جو نویست
 یا چلتی ہوئی سوشل ترکیب کے محروم ہیں۔ وہ توڑ دیتی ہے اور نئے
 کوتاہ دلی اور ایک دوسرے کو خارج کرنے والی اختلافات جنہوں نے قدیم مائے کی تہذیب کی ترقی کو
 روکا اور جو اب تک ہندوستان کے پیر و نین میں مثل رنگ آلودہ پیر
 کے پڑی ہوئی ہیں اگر کہی شاہی طریقہ سلطنت کسی وقت اور ملک کے
 لیے مناسب اور ضروری تھا تو وہ ملک ہندوستان ہے جیسا کہ
 اور سے ہم آج کے دن دیکھتے ہیں۔

تھامس

اعلان

بفحوائے قانون نستم ۱۸۷۷ء

اس کتاب کی حثیری کرائی گئی ہے کوئی لائن

مطابع بغیر اجازت مترجم کے قصد

طبع نفرمائیں *